

سچے لوگوں کو کہہ دینا خوش راہ ہے کہ لوگوں میں طور و سلی کا بہت سیلایا ہوتا ہے

یو یو آف دیرلینز

دیکھ کے انداز میں پیر
نظر

جلد اول اپریل ۱۹۰۲ء نمبر (۴)

فہرست مضامین

۱۵۳

یسوع کی علمی غلطیاں

یسوع کی تعلیم کی

۱۵۶

غلطیاں

۱۵۸

انجیلی عفو کی حقیقت

۱۲۷

انسان کی اخلاقی حالتیں

تشکیث اور توحید

یسوع کی عصمت پر دوسرے اعتراض ۱۲۵

انجمن اشاعت الاسلام قادیان

انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں چھپوا کر
۳ جون کو شائع کیا

چند سالانہ مسودہ محصول اک :- معمولی کاغذ پر (پیر) و لائق کاغذ پر (لحمہ سر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اِسْلَام

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

انسان کی اخلاقی حالتیں

دوسرا حصہ قرآنی اصلاح کا یہ ہے کہ طبعی حالتوں کو شرائط مناسبت کے ساتھ مشروط کر کے اخلاق فاضلہ تک پہنچایا جائے سو واضح ہو کہ یہ حصہ بہت بڑا ہے اگر ہم اس حصہ کو تفصیل کیساتھ بیان کریں یعنی تمام وہ اخلاق اچھے لکھنا چاہیں جو قرآن شریف نے بیان کئے تو یہ مضمون اس قدر لمبا ہو جائیگا کہ وقت اس کے دسویں حصہ تک کو بھی کفایت نہیں کریگا اس لئے چند اخلاق فاضلہ ہونے کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں *

اب جاننا چاہئے کہ اخلاق دو قسم ہیں اول وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ترک شر پر قادر ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ایصال خیر پر قادر ہوتا ہے اور ترک شر کے مفہوم میں وہ اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ انسان کو شش کرتا ہے کہ تا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنی آنکھ ما اپنے کسی اور عضو سے دوسرے کے مال یا عزت یا جان کو نقصان نہ پہنچائے یا نقصان رسانی یا کسر شان کا ارادہ نہ کرے اور ایصال خیر کے مفہوم میں تمام وہ اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ سے انسان کو شش کرتا ہے کہ اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے علم یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے کے مال یا عزت کو فائدہ پہنچائے یا اسکے جلال یا عزت ظاہر کرنے کا ارادہ کر سکے یا اگر کسی نے اس پر کوئی ظلم کیا تھا تو جس سزا کا وہ ظالم مستحق تھا اس سے درگزر کر سکے اور اس طرح اس کو دکھ او عذاب بدنی اور تادان مالی سے محفوظ رہنے کا فائدہ پہنچائے یا اسکو ایسی سزا دے سکے جو حقیقت

میں اس کے لئے سراسر رحمت ہے *

اب واضح ہو کہ وہ اخلاق جو ترک شر کے لئے صانع حقیقی نے مقرر فرمائے ہیں وہ زبان عربی میں جو تمام انسانی خیالات اور ادنیٰ اور اخلاق کے اظہار کے لئے ایک ایک مفرد لفظ اپنے اندر رکھتی ہے چار ناموں سے موسوم ہیں۔ چنانچہ پہلا خلق احسان کے نام سے موسوم ہے اور اس لفظ سے مراد خاص وہ پاکدامنی ہے جو مرد اور عورت کی قوت تناسل سے علاقہ رکھتی ہے اور محض یا محض اس مرد یا اس عورت کو کہا جائیگا کہ جو حرام کاری یا اس کے مقدمات سے مجتنب رہ کر اس ناپاک بدکاری سے اپنے تئیں روکے۔ جس کا نتیجہ دونوں کے لئے اس عالم میں ذلت اور لعنت اور دوزخ جہان میں عذاب آخرت اور متعلقین کے لئے علاوہ بے آبروی نقصان شدید ہے مثلاً جو شخص کسی کی بیوی سے ناجائز حرکت کا مرتکب ہو یا مثلاً زنا تو نہیں مگر اس کے مقدمات مرد اور عورت دونوں سے ظہور میں آویں تو کچھ شک نہیں کہ اس غیر متند مظلوم کی ایسی بیوی کو جو زنا کرانے پر راضی ہو گئی تھی یا زنا بھی واقع ہو چکا تھا طلاق دینی پڑیگی اور بچوں پر بھی اگر اس عورت کے پیٹے ہونگے بڑا تفرقہ پڑیگا اور مالک خانہ یہ تمام نقصان اس بد ذات کی وجہ سے اٹھائیگا *

اس جگہ یاد رہے کہ یہ خلق جس کا نام احسان یا عفت ہے یعنی پاکدامنی یہ اسی حالت میں خلق کما لئیک جبکہ ایسا شخص جو بد نظری یا بد کاری کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے یعنی قدرت نے وہ قوے اس کو دے رکھے ہیں جن کے ذریعہ سے اس جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔ اس فعل شنیع سے اپنے تئیں بچائے اور اگر بیاعت کچھ ہونے یا نامرد ہونے یا خوجہ ہونے یا پیہر فرقت ہونے کے یہ قوت اس میں موجود نہ ہوتیں صورت میں ہم اس کو اس خلق سے جس کا نام احسان یا عفت ہے موصوف نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عفت اور احسان کی اس میں ایک طبعی حالت ہے مگر ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ طبعی حالتیں خلق کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتیں بلکہ اس وقت خلق کی حد میں داخل کیجائیگی جبکہ عقل کے زیر سایہ ہو کر اپنے محل پر صادر ہوں یا صادر ہونے کی قابلیت پیدا کر لیں۔ لہذا جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں بچے اور نامرد اور ایسے لوگ جو کسی تدبیر سے اپنے تئیں نامرد کر لیں اس خلق کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے گو بظاہر عفت اور احسان کے رنگ میں اپنی زندگی بسر کریں بلکہ تمام صورتوں میں ان کی عفت اور احسان کا نام طبعی حالت ہوگا نہ اور کچھ۔ اور چونکہ یہ ناپاک حرکت اور اس کے مقدمات جیسے مرد سے صادر ہو سکتے ہیں ویسے ہی عورت

بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ لہذا خدا کی پاک کتاب میں دو مرد اور عورت کیلئے یہ تعلیم فرمائی گئی ہے۔ قل
 للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذلک ازکی لهم وقل للمؤمنات
 یغضضن من ابصارهن ویحفظن فروجهن ولا یدین زینتھن الا ما ظہر منها ولیضربن
 بخمرھن علی وجوھن ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعاً
 ایہا المؤمنون لعلکم تفلحون ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلاً ولتستعفف
 الذین لا یجدون نکاحاً۔ و رہا نیتاً ابتداءً عوہا ما کتبتہا علیہم فصار عوہا حق سرعایتہا
 یعنی ایمانداروں کو جو مرد ہیں کمدے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں اور ایسی عورتوں
 کو کھلے طور سے نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہو سکتی ہوں اور ایسے موقع پر خواہیدہ نگاہ کی عادت پکڑیں اور
 اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچا دیں ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچا دیں یعنی بیگانہ عورتوں کے
 گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کے لئے عمدہ طریق ہے۔
 ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کمدے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں یعنی انکی
 پریشوآت آوازیں نہ سنیں اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضا کو کسی غیر محرم پر نہ
 کھولیں اور اپنی اڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنی گریبان اور دونوں کان اور
 سر اور کنٹھیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر نہ چپنے والوں کی طرح نہ مایں یہ وہ
 تدبیر ہے کہ جسکی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔ اور دوسرا طریق بچنے کے لئے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف
 رجوع کریں اور اس سے دعا کریں تا ٹھوکر سے بچا فے اور فرشتوں سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت
 جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہو سکتا ہو اور ان راہوں کو اختیار
 نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ زنا کی
 راہ بہت بری راہ ہے یعنی منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری آخری منزل کے لئے سخت خطرناک ہے
 اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہئے کہ وہ اپنی عفت کو دوسرے طریقوں سے بچا فے مثلاً روزہ رکھے یا کمر
 کھا فے یا اپنی طاقتوں سے تن آزار کام لے اور اور لوگوں نے یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عموماً نکاح
 سے دست بردار رہیں یا خوجے بنیں اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کریں مگر ہم نے انسان پر یہ حکم
 فرض نہیں کئے اسلئے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نباہ نہ سکے۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگوں

خوجہ بنیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنے کے مجاز بنتے تو اس صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو جاتا اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنی ہو کہ عضو مردی کو کاٹ دیں تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اس بات پر ہے کہ ایک قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا تعالیٰ کا خوف کے اس قوت کے خراب جذبات کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے منافع سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کا ثواب حاصل کرے پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضائع کر دینے میں دونوں باتوں سے محروم رہا ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اس کے مقابلہ سے ملتا ہے مگر جس میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اسکو کیا ثواب ملیگا۔ کیا بچہ کو اپنی عفت کا ثواب مل سکتا ہے ؟

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے خلق احسان یعنی عفت کے حاصل کرنے کیلئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاکدامن رہنے کیلئے پانچ علاج بھی بتلا دئے ہیں یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ نامحرموں کے قصے نہ سننا۔ اور ایسی تمام تقریبوں سے جن میں اس بد فعل کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ ۔

اس جگہ ہم بڑے دعوے کیا ساتھ کہتے ہیں کہ یہ اعلیٰ تعلیم ان سب بیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام سے ہی خاص ہے اور جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اسکے جذبات شہوت محل اور موقع پاکر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے یا یوں کہو کہ سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف دیکھ کر لیا کریں اور انکی تمام زینتوں پر نظر ڈالیں اور ان کے تمام انداز ناچنا وغیرہ شاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانائیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سننا کریں۔ لیکن پاک خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور انکے حسن کے قصے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے

بلکہ ہمیں چاہئے کہ اُن کے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تاٹھو کر نہ کھا دیں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکیں پیش آویں۔ سو چونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری سمجھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک ہیں اس لئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب جاتی ہے اگر ہم ایک بھوکے کتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھ دیں اور پھر ہمدرد رکھیں کہ اُس کتے کے دل میں خیال تکسان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ نفسانی قوت کو پوشیدہ کار روٹیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آئے جس سے بد خطرات جنبش کر سکیں *

اسلامی پردہ کی یہی فلسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے یہ اُن نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزاد نظر اندازی اور اپنی زینتوں کے دکھانے سے روکا جائے کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے بالآخر یاد رہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچا لینا اور دوسری جائزہ نظر چیزوں کو دیکھنا اس طریق کو عربی میں غصّ بصر کہتے ہیں اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کیلئے اس تمدنی زندگی میں غصّ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائیگی اور اسکی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑیگا۔ یہی وہ خلق ہے جسکو احسان اور عفت کہتے ہیں *

دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خلق ہے جس کو امانت و دیانت کہتے ہیں یعنی دوسرے کے مال پر شرارت اور بدبیتی سے قبضہ کر کے اسکو اپنی چٹائی پر راضی نہ ہونا۔ سو واضح ہو کہ دیانت اور امانت انسان کی طبعی حالتوں میں سے ایک حالت ہے اسی واسطے ایک بچہ شیر خوار بھی جو بوجہ کم سن اپنی طبعی سادگی پر ہوتا ہے اور نیز باعث صغر سنی ابھی بری عادتوں کا عادی نہیں ہوتا۔ بہت دروغی کی چیز سے نفرت رکھتا ہے کہ غیر عورت کا دودھ بھی شکل سے پیتا ہے اور اگر سہوشی کے زمانہ میں کوئی اور دایہ مقرر نہ ہو تو ہوش کے زمانہ میں اسکو دوسرے کا دودھ پلانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اپنی جان پر بہت تکلیف اٹھاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس تکلیف سے مرنے کے قریب ہو جائے مگر دوسری عورت کے دودھ سے طبعاً

بیزار ہوتا ہے۔ اس قدر نفرت کا کیا بھید ہے؟ بس یہی کہ وہ والدہ کو چھوڑ کر غیر کی چیز کی طرف رجوع کرنے سے طبعاً متنفر ہے۔ اب ہم جب ایک گہری نظر سے بچہ کی اس عادت کو دیکھتے اور اس پر غور کرتے ہیں اور فکر کرتے کرتے اسکی اس عادت کی تہ تک چلے جاتے ہیں تو ہم پر صاف کھل جاتا ہے کہ یہ عادت جو غیر کی چیز سے اس قدر نفرت کرتا کہ اپنے اوپر مصیبت ڈال لیتا ہے یہی جڑ دیانت اور امانت کی ہے اور دنیا کے خلق میں کوئی شخص راستباز نہیں ٹھہر سکتا جب تک بچہ کی طرح غیر کے مال کے بارے میں بھی سچی نفرت اور کراہت اس کے دل میں پیدا نہ ہو جائے لیکن بچہ اس عادت کو اپنے محل پر استعمال نہیں کرتا اور اپنی بیوقوفی کے سبب بہت کچھ تکلیفیں اٹھالیتا ہے لہذا اس کی یہ عادت صرف ایک طبعی ہے جسکو وہ بے اختیار ظاہر کرتا ہے اس لئے وہ حرکت اس کے خلق میں داخل نہیں ہو سکتی گو انسانی سرشت میں اصل جڑ خلق دیانت اور امانت کی وہی ہے جیسا کہ بچہ اس غیر معقول حرکت سے متدین اور امین نہیں کہلا سکتا ایسا ہی وہ شخص بھی اس خلق سے متصف نہیں ہو سکتا جو اس طبعی حالت کو محل پر استعمال نہیں کرتا امین اور دیانتدار بننا بہت نازک امر ہے جب تک انسان اس کے تمام پہلو جان نہ لائے امین اور دیانتدار نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل میں امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق امانت یہ ہے

وَلَا تَوَلَّوْا السُّفَهَاءَ اَمْوَالِ الْكَرِّمَاتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ فِرَاقٍ زَوْجًا وَّكِسْفًا وَاَكْسُوْهُمْ وَاَقُولُوْا اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ مَعْرُوفًا وَاَبْتَلَوْا اَلِیْتُمْ حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اَنْتُمْ مِنْهُمْ رِّشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا سِرًّا وَّ اَعْلٰنًا وَاَنْ یَّكْبُرُوا وَاِنْ اَنْتُمْ غَنٰیًا فَلَا یَسْتَعْفِفُوْنَ وَاِنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلِیَاكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهَدُوْا عَلَیْهِمْ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا وَاَلْبَخِشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضَعَفًا فَآخِفُوْا عَلَیْهِمْ فَلَا یَتَّقُوا اللّٰهَ وَلَیْقُوْا اَنْ یَّكُوْنُوا مِنَ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالِ الْیْتٰمٰی ظَلْمًا اَنْ یَّكُوْنُوا فِیْ بَطْنِهِمْ نٰرًا وَیَصِلُوْنَ سَعِیْرًا

ترجمہ یعنی اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حمت سے اپنے مال کو ضائع کر دیکر تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال اس کا متکفل کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو اور وہ تمام مال جیسے سلسلہ تجارت اور عیشت کا چلتا ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو اور اس مال میں سے بقدر ضرورت ان کے کھانے اور پہننے کے لئے دیدیا کرو اور ان کو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہو یعنی ایسی باتیں جن سے ان کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طرف سے ان کے مناسب مال انکی

تربیت ہو جائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے انکو سکھاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب سال انکو پختہ کر دو غرض ساتھ ساتھ تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کو وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں پھر جب سناج کے لائق ہو جائیں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ ان میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو۔ اور فضول خرچی کے طور پر ان کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بٹے ہو جائینگے تو اپنا مال لے لینگے ان کے مال کا نقصان کر دو جو شخص دولت مند ہوا سکون نہیں چاہتے کہ ان کے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے عرب میں مالی محافظوں کیلئے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کارپردازان کے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ پہنچا رہا ہے اس میں سے آپ بھی لیتے اس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو یہ اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگو تو گواہوں کے روبرو ان کو ان کا مال دو اور جو شخص فوت ہونے لگے اور بچے اُس کے ضعیف اور صغیر السن ہوں تو اسکو نہیں چاہئے کہ کوئی ایسی بیعت کرے کہ جس میں بچوں کی حق تلفی ہو جو لوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہیں جس سے یتیم پر ظلم ہو جائے وہ مال نہیں بلکہ آگ کھاتے ہیں اور آخر جلائیوالی آگ میں ڈالے جائینگے ۔

اب دیکھو خدا تعالیٰ نے دیانت اور امانت کے کس قدر پہلو بتلائے۔ سو حقیقی دیانت اور امانت وہی ہے جو ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ہو اور اگر پوری محنت دے کر کو دخل دیکر امانت داری میں تمام پہلوؤں کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھپی ہوئی خیانتیں اپنے ہمراہ رکھے گی اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ وَلَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحَدِّكَام لَتَاْكُلُنَّ اَمْوَالَكُمْ بِلَا اَشْفَاءٍ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اَنْ اَللّٰهُ يامرُكُمْ اَنْ تُوَدُّوا الْاَمْنَتَ اِلَى اَهْلِهَا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ وَاَوْفُوا بِالْعٰقِلِ اِذَا كَلَّمْتُمْ وَاَنْتُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُسْتَقِيْمَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْاَرْضِ مَعْصِدِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَخْبِيْثَ بِالطَّيِّبِ يَعْنِيْ اَيْسَ مِيْنِ اَيْكُسَ دُسرے کے مال کو ناجائز طور پر مت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر حکام تک پہنچایا کرو تا اس پر حکام کی اعانت سے دوسرے کے مالوں کو دباؤ۔

امانتوں کو ان کے حق داروں کو واپس دیدیا کرو۔ خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا جب تم پاپو تو پورا پاپو جب تم وزن کرو تو پوری اور بے خلل ترازو سے وزن کرو۔ اور کسی طور سے لوگوں کو ان کے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو یعنی اس نیت سے کہ چوری کریں یا ڈاکہ ماریں یا کسی کی جیب کٹیں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں اور پھر فرمایا کہ تم اچھی چیزوں کے عوض میں خبیث اور ردی چیزیں نہ دیا کرو یعنی جس طرح دوسروں کا مال دبا لینا ناجائز ہے اسی طرح خراب چیزیں بیچنا یا اچھی کے عوض میں بُری دینا بھی ناجائز ہے۔ ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے تمام طریقے بددیانتی کے بیان فرمائے اور ایسا کلام کلی کے طور پر فرمایا جس میں کسی بددیانتی کا ذکر باہر نہ رہ جائے صرف یہ نہیں کہا کہ تو چوری نہ کر۔ تا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے کہ چوری میرے لئے حرام ہے مگر دوسرے ناجائز طریقے سب حلال ہیں اس کلمہ جامعہ کیساتھ تمام ناجائز طریقوں کو حرام ٹھہرانا یہی حکمت بیانی ہے غرض اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خلق اپنے اندر نہیں رکھتا اور ایسے تمام پہلوؤں کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ اگر دیانت و امانت کو بعض امور میں دکھلائے بھی تو یہ حرکت اس کی خلق دیانت میں داخل نہیں سمجھی جائے گی بلکہ ایک طبعی حالت ہوگی جو عقلی تمیز اور بصیرت سے خالی ہے *

تیسری قسم ترک شرکی اخلاق میں سے وہ قسم کہ جس کو عربی میں ھکد فہ اور ھون کہتے ہیں یعنی دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا پس بلاشبہ صلح کاری اعلیٰ درجہ کا ایک خلق ہے اور انسانیت کیلئے از بس ضروری اور اس خلق کے مناسب حال طبعی قوت جو بچہ میں ہوتی ہے جس کی تعدیل سے یہ خلق بنتا ہے الفت یعنی خود مگر فنگی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان صرف طبعی حالت میں یعنی اس حالت میں کہ جب انسان عقل سے بے بہرہ ہو صلح کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتا اور نہ جنگ جوئی کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے پس اس وقت جو ایک عادت موافقت کی اس میں پائی جاتی ہے وہی صلح کاری کی عادت کی ایک جڑ ہے لیکن چونکہ وہ عقل اور تدبر اور خاص ارادہ سے اختیار نہیں کی جاتی اس لئے خلق میں داخل نہیں بلکہ خلق میں تب داخل ہوگی کہ جب انسان بالارادہ اپنے تمیز بے شر بنا کر صلح کاری کے خلق کو اپنے محل پر استعمال کرے اور بے محل استعمال کرنے سے مجتنب رہے اس میں اللہ جل شانہ یہ تعلیم فرماتا ہے

وَأَصْلَحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ - أَصْلَحْ خَيْرٌ - وَأَنْ جَنَّهُوا لِلتَّسْلِيمِ فَاجْتَنِبْ لَهَا وَعِبَادَ الرَّحْمَنِ
الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا آدَعٍ بِأَلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ یعنی آپس میں صلح کاری اختیار کر دے صلح میں
خیر ہے جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صلح کاری کے ساتھ زمین
پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغوات کسی سے نہیں جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو تو بزرگانہ طور
پر طرح دیکر چلے جاتے ہیں اور اپنے اپنے بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے یعنی جب تک کوئی زیادہ
تکلیف نہ پہنچے اس وقت تک ہنگامہ پروازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صلح کاری کے محل شناسی کا یہی
اصول ہے کہ اپنے اپنے باتوں کو خیال میں نہ لادیں اور معاف فرمادیں۔ اور لغو کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے
سودا صیح ہو کہ عربی زبان میں لغو اس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص شرارت سے ایسی جگہ اس کے یا بہ
نیت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس کے کچھ ایسا حرج اور نقصان نہیں پہنچتا۔ صلوکاری کی
یہ علامت ہے کہ ایسی بیہودہ ایذا سے چشم پوشی فرمادیں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لادیں لیکن اگر ایذا صرف لغو
کی مدین داخل نہ ہو بلکہ اس سے واقعی طور پر جان یا مال یا عزت کو ضرر پہنچے تو صلوکاری کے خلق کو اس سے کچھ تعلق
نہیں بلکہ اگر ایسے گناہ کو بخشا جائے تو اس خلق کا نام عفو ہے جس کا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان ہو گا اور
پھر فرمایا کہ جو شخص شرارت سے کچھ یا وہ کوئی کرے تو تم نیک طریق سے صلوکاری کا اس کو جواب دے تب اس
خصلت سے دشمن بھی دوست ہو جائیگا غرض صلوکاری کے طریق سے چشم پوشی کا محل صرف اس درجہ کی
بدی ہے جس سے کوئی واقعی نقصان نہ پہنچا ہو صرف دشمن کی بیہودہ گولی ہو۔

چوتھی قسم ترک شریعتی رفق اور قول حسن اور خیر میں حالت طبعی پیدا ہوتا ہے اس کا نام صلوات ہے کثرت سے
بچھڑنا کلام کرنے پر قادر نہیں رہتا بھلے رفق اور قول حسن کی طلاق کھاتا ہے یہی دلیل اس بات پر کہ رفق کی خبر جاتا ہے
شیخ پیدا ہوتی طلاق کے طلاق ایک ہے اور رفق ایک خلق جو اس وقت کہ محل پر ہوتا ہے کہ فیہ پیدا ہوتا ہے اس میں
خدا تعالیٰ کی تعلیم ہے وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا - لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ لَكُمْ
خَيْرٌ مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا
تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ أَثَرٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ - وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ

والبصر والفقہ اذ کل اولئک کا زعم مسئلہ یعنی لوگوں کو وہ باتیں کہ جو واقعی طور پر نیک ہوں۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھانہ کرے ہو سکتا ہے کہ جسے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھے ہوں۔ بعض عورتیں بعض عورتوں سے ٹھٹھانہ کریں ہو سکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہوں اور عیب مت لگاؤ اپنے لوگوں کے بے برے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید پوچھو ایک دوسرے کا گلہ مت کرو کسی کی نسبت وہ بہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں اور یاد رکھو کہ ہر ایک عضو سے مواخذہ ہو گا اور کان آنکھ دل ہر ایک سے پوچھا جائیگا +

ترک شر کے اقسام ختم ہو چکے اور اب ہم ایصال خیر کے اقسام بیان کرتے ہیں دوسری قسم ان اخلاق کی جو ایصال خیر سے تعلق رکھتے ہیں پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا اس میں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اسکو بھی ضرر پہنچایا جائے۔ سزا دلائی جائے۔ قید کرایا جائے جرم نہ کرایا جائے یا آپ ہی اس پر تہ امتحان کیا جائے پس اس کو بخش دینا مناسب ہے تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے۔ ہمیں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔۔۔ و الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔ و جزاء سیئئہ سیئئہ مثلاً ما فمن عفی واصلح فاجرة علی اللہ یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کیگئی ہو لیکن جو شخص گناہ کو بخشدے اور ایسے موقع پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شہریدہ نہ ہوتا ہو یعنی عین عفو کے محل پر ہونہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائیگا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا ہے پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ ضلالت کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مجسمہ گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر حریص ہوتے ہیں

یہاں تک کہ دادوں پر دادوں کے کینوں کو یاد رکھتے ہیں ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگزر کی عادت کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیوثی تک لغت پہنچ جاتی ہے اور ایسے قابل شرم حلقہ اور عفو اور درگزر ان سے صادر ہوتے ہیں جو سرسرمحیت اور غیرت اور عفت کے برخلاف ہوتے ہیں بلکہ نیک طبعی پر دلغہ لگاتے ہیں اور ایسے عفو اور درگزر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ قہر تو بہ کر اٹھتے ہیں۔ انہی خرابیوں کے لحاظ سے قرآن شریف میں ہر ایک خلق کیلئے محل اور موقع کی شرط لگادی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو یا دیہے کہ مجر و عفو کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتے ہیں اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہیں ہوگا۔ خلق میں اس صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کریں گے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ حقیقی خلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں تو چار پایوں میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم ان کو اسی سبب سے ان مخلوقوں سے متصف نہیں کہہ سکتے کہ ان کو محل اور موقع کی عقل نہیں دی گئی۔ خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگادی ہے *

دوسرا خلق خلاق اعیال خیر میں سے عدل ہے اور تمیز احسان اور چوتھا ایتاء ذی القربی جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِتِیَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَاَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغٰی یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو اور اگر عدل سے بڑھکر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھکر قریبوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کو لے کا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی کرو اور اس سے خدا تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے گزر جاؤ یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صاف ہو جس سے عقل انکار کرے یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا بے محل احسان کرنے سے دریغ کرو یا یہ

کہ تم محل پر ایتا ذی القربے کے خلق میں کچھ کمی اختیار کر دیا حد سے زیادہ رحم کی بارش کر داس آیت کرمہ میں ایصال خیر کے تین درجوں کا بیان ہے اول یہ درجہ کنیکی کے مقابل پر نیکی کیجائے یہ تو کم درجہ ہے اور اولیٰ درجہ کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرتا ہے دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر اس کو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔ اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک مخفی عیب ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کہہ سے کم وہ اپنے حق کے عوض میں شکریہ یاد دعا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اس کا مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فوق الطاق جو چھ ڈال دیتا ہے اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے جیسا کہ احسان کرنے والوں کو خدا تعالیٰ تنبیہ کرنے کے لئے فرماتا ہے۔ لا تبطلوا صدقتکم بالمت والا ذلے۔ یعنی اے احسان کرنے والو اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہئے احسان یاد دلانے اور رکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے پس اگر دلیں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہو جاتی ہے غرض احسان کرنے والے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ کبھی غصہ میں آکر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے احسان کرنے والوں کو ڈرایا۔ تیسرا درجہ ایصال خیر کا خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور شکر گزاری پر نظر ہو بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً واللہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصال خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے ان تمام ایصال خیر کی قسموں کو محل اور موقع سے وابستہ کر دیا ہے اور آیت موصوفہ میں صاف فرمایا ہے کہ اگر نیکیاں اپنے اپنے محل پر متعل نہیں ہونگی تو پھر یہ بدیاں ہو جائیں گی۔ بجائے عدل و محنت بن جائیں گے یعنی حد سے آتا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئے گی یعنی وہ صورت جس سے عقل اور کائناتیں انکار کرتا ہے اور بجائے ایتا ذی القربے کے بغی بن جائے گا یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بے صورت پید اگر محفل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کہتے ہیں کہ تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی رکھنے کو بغی کہتے ہیں اور یہ حق واجب افرونی کرنا بھی بغی ہے غرض ان

تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہوگا وہی خراب سیرت ہو جائیگی۔ اسی لئے ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگادی ہے اسبکہ یاد رہے کہ مجر د عدل یا احسان یا سہمدردی ذی القربیٰ کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجودِ عقل سے پہلے پائی جاتی ہیں مگر خلق کے لئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقع پر استعمال ہو۔

اور پھر احسان کے بارے میں اور بھی ضروری ہدایتیں قرآن شریف میں ہیں اور سب کو الف لام کے ساتھ جو خاص کرنے کے لئے آتا ہے استعمال فرما کر موقع اور محل کی رعایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا مَنْ طَيَّبَتْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تَيْمَمُوا الْخَبِيثَاتِ مِنْهُ - لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ - أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ - إِنَّ الْأَنْبَرَاءَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِنْ اجْهَمَاءَ كَافِرًا عَيْنَانَا يَشْرَبُ رِئَاءَ عِبَادِ اللَّهِ يُفَعِّرُونَهَا تَفْعِيرًا - وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَبَتِيئًا وَآسِيرًا - إِنْ مِمَّا نَطْعِمُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا - وَاتَّقِ الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ الْبَنِي وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا - وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ - الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ - وَاتَّقُوا عَمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً - إِنَّهَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ - لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ - وَاتَّقِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا - وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْحَنِيفِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنَبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا - الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان الو تم ان مالوں میں سے لوگوں کو بطریق سخاوت یا احسان یا صدقہ وغیرہ دو جو تمہاری پاک کمائی ہے یعنی جس میں چوری یا رشوت یا خیانت یا غبن کا مال یا ظلم کے وسیعہ کی آمیزش نہیں اور یہ قصد تمہارے دل سے دور رہے کہ ناپاک مال کو گنہگار دو اور دوسری یہ بات ہے کہ اپنی خیرات اور مردت کو احسان رکھنے اور دکھ دینے کیساتھ باطل مت کرو یعنی اپنے ممنون بہت کو کبھی یہ نہ بتلاؤ کہ تمہنے تجھے دیا تھا اور نہ اس کو دکھ دو کیونکہ سطح تمہارا احسان باطل ہوگا اور نہ ایسا طریق بچڑو کہ تم اپنے مال کو گنہگار یا کاری کیساتھ خرچ کرو۔ خدا کی مخلوق سے احسان کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جو لوگ حقیقی نیکی کرنے والے ہیں ان کو وہ جام پلائے جائینگے جنکی ملوئی کافور کی ہوگی یعنی دنیا کی سورشیں اور جہنمیں اور ناپاک غشیں ان کے دل سے دور کر دی جائیں گی۔ کافور کفر سے شستہ ہے اور کفر لغت عرب میں دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ انکے جذبات ناجائز دبا جائیں گے اور وہ پاک باطن ہو جائیں گے اور معرفت کی خشکی ان کو پہنچے گی پھر فرماتا ہے کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پیئیں گے جسکو وہ آج اپنی ہاتھ سے چیر رہے ہیں سچکہ بہشت کی فلاسفی کا ایک گہرا راز بتلایا ہے جسکو سمجھنا ہو سمجھ لے اور پھر فرمایا ہے کہ حقیقی نیکی کرنیوالوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ محض خدا کی محبت کے لئے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں و یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ یہ کام صرف اس بات کیلئے کرتے ہیں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور اسکے منہ کیلئے یہ خدمت ہے ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھر وہ لہذا اس بات کی طرف ہے کہ ایصال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے وہ طریق بجالاتے ہیں سچے نیکیوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضا جوئی کیلئے اپنے قریبوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے تمہاداران کی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر و فاقہ سے بچاتے ہیں اور اور مسافروں اور سوالیوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان کو غلاموں کے آزاد کرنے کیلئے اور قرضداروں کو سبکدوش کرنے کیلئے بھی دیتے ہیں اور اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کی عادت رکھتے ہیں اور میانہ روش چلتے ہیں پیوند کرنے کی جگہ پر پیوند کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور ان کے مالوں میں سوالیوں اور بے زبائوں کا حق بھی ہے۔ بے زبائوں سے مراد کتوں بلیاں چڑیاں بیل گدھے بھریاں اور دوسری چیزیں ہیں وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت میں اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے دل تنگ نہیں ہو جاتے بلکہ نیکی کی حالت میں بھی اپنے مفاد کو موافق سخاوت کرتے رہتے ہیں وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے ہیں اور کبھی ظاہر پوشیدہ اس لئے

کہ تمارا کاری سے بچیں اور ظاہر اس لئے کہ تا دوسروں کو ترغیب دیں۔ خیرات اور صدقات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ پہلے جس قدر محتاج ہیں ان کو دیا جائے ان کو خیرات کے مال کا تعہد کریں یا اس کیلئے انتظام اہتمام کریں ان کو خیرات کے مال سے کچھ مل سکتا ہے اور نیز کسی کو بدی سے بچانے کیلئے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں ایسا ہی وہ مال غلاموں کے آزاد کرنے کیلئے اور محتاج اور قرضداروں اور آفت زہ لوگوں کی مدد کیلئے بھی اور دوسری راہوں میں جو محض خدا کے لئے ہوں.... خرچ ہو گا تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پاسکتے جب تک کہ نبی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے غیر ہوں کا حق ادا کرو مسکینوں کو دو مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں کے اپنے تئیں بچاؤ لینے بیاہوں شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکاپیدا ہونے کی رسوم میں جو اسراف کے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ تم ماں باپ کے نیکی کرو اور قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور لوگوں کو دھلام اور گھوٹے اور بکری اور بیل اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں وہ لاپرواہوں اور خود غرضوں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں +

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے وہ حالت ہے جو شجاعت کے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ بھی اسی قوت کی وجہ سے کبھی آگ میں ہاتھ ڈالنے لگتا ہے کیونکہ انسان کا بچہ بیاعت فطرتی جو ہر غلبہ انسانیت کے ڈرانے والے نمونوں سے پہلے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس حالت میں انسان نہایت بے باکی سے شیروں اور دوسرے جنگلی درندوں کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور تنہا مقابلہ کیلئے کئی آدمیوں کے لڑنے کے لئے نکلتا ہے اور لوگ جانتے ہیں کہ بڑا بہادر ہے لیکن یہ صرف ایک طبعی حالت ہے کہ اور درندوں میں بھی پیدا ہوتی ہے بلکہ کتوں میں میں بھی پائی جاتی ہے اور حقیقی شجاعت جو محل اور موقع کے ساتھ خاص ہے اور جو اخلاق فاضلہ میں سے ایک خلق ہے وہ ان محل اور موقع کے امور کا نام ہے جن کا ذکر خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں اس طرح آیا ہے :-

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ
الَّذِينَ قَالُوا لَهمُ النَّاسُ اِرَالنَّاسِ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَلَّ ذَهمُ اِيْمَانُهمْ فَاَلَا حَسْبُنا اللّٰهُ
وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ - وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَاءَ النَّاسِ يَعْنِي بَهَاد

وہ ہیں کہ جب لڑائی کا موقع آپڑے یا انپر کوئی مصیبت پڑے تو بھاگتے نہیں ان کا صبر لڑائی اور سختیوں کے وقت میں خدا کی رضامندی کے لئے ہوتا ہے اور اس کے چہرہ کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ بہادری دکھانے کے انکو ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ تمہیں سزا دینے کیلئے اتفاق کر گئے ہیں سو تم لوگوں سے ڈرو پس لڑانے سے ابھی انکا ایمان بڑھتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خدا ہمیں کافی ہے یعنی ان کی شجاعت درندوں اور کتوں کی طرح نہیں ہوتی جو صرف طبعی جوش پر مبنی ہو جس کا ایک ہی پہلو پر میل ہو بلکہ انکی شجاعت دو پہلو رکھتی ہے کبھی خود اپنی ذاتی شجاعت سے اپنے نفس کے جذبات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس پر غالب آتے ہیں اور کبھی جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ قہرین مصلحت ہے تو نہ صرف جوش نفس سے بلکہ سچائی کی مدد کیلئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں مگر نہ اپنے نفس کا بھروسہ کر کے بلکہ خدا پر بھروسہ کر کے بہادری دکھاتے ہیں اور ان کی شجاعت میں یا کاری اور خود بینی نہیں ہوتی اور نہ نفس کی پیروی بلکہ ہر ایک پہلو سے خدا کی رضا مقدم ہوتی ہے ان آیات میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ حقیقی شجاعت کی بڑھبڑ اور ثابت قدمی ہے اور ہر ایک جذبہ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرح حماکہ اس کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ جانا یہی شجاعت ہے سو انسان اور درندہ کی شجاعت میں بڑا فرق ہے درندہ ایک ہی پہلو پر جوش اور غصہ سے کام لیتا ہے اور انسان جو حقیقی شجاعت رکھتا ہے وہ مقابلہ و ترک مقابلہ میں جو کچھ قہرین مصلحت ہو وہ اختیار کر لیتا ہے ۔

اور نجد انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کا خاصہ ہے سچائی ہے انسان جب تک کوئی غرض نفسانی اسکی محرک نہ ہو جھوٹ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کے اختیار کر نہیں ایک طرح کی اغرت اور قبض اپنے دلیں پاتا ہے اسی وجہ سے جس شخص کا صرچ جھوٹ ثابت ہو جائے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن صرف یہی طبعی حالت اخلاق میں دخل نہیں ہو سکتی بلکہ نیچے اور دیوانے بھی اس کے پابند رہ سکتے ہیں سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ان نفسانی اغراض سے غافل نہ ہو جو راست گوئی سے روک دیتے ہیں تب تک حقیقی طور پر استگونی نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جنہیں اس کا چندان حرج نہیں اور اپنی عزت یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اسکو دیوانوں اور بچوں پر کیا فقیہ کہے کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ مخواہ جھوٹ بولے پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز دخل نہیں ہوگا۔ سچ کے بولنے کا

بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جس میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو اس میں خدا کی یہ تعلیم ہے -
 فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ ولا یاب الشہداء اذا ما دعوا۔ ولا تکتھموا الشہادۃ۔ ومن یکتمھا فانه اثمہ قلبہ۔ واذ اقلتم فاعدلوا ولو کان ذاقرب
 کو نوا قوامین بالعقسط شہداء اللہ ولو علی انفسکم والوالدین والاقربین۔
 ولا تجر منکم کفرشنان قوم علی الا تعدلوا۔ والصادقین والصادقات وتواصوا بالحق
 وتواصوا بالصبر۔ لا یشہدون الزور۔ ترجمہ۔ بتوں کی پرستش اور جھوٹ بولنے سے پرہیز
 کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بڑے جیسے بھروسہ کرنے والا خدا کا جھوٹا چھوڑ دیتا ہے۔ جو جھوٹ بولنے سے خدا بھی
 مانتے سے جاتا ہے اور پھر فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کیلئے بلائے جاؤ تو جملے سے انکار مت کرو اور سچی گواہی کو
 مت چھپاؤ اور جو چھپائیگا اس کا دل گنہگار ہے اور جب تم بولو تو وہی بات منہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت
 کی بات ہے اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ اور چاہئے کہ ہر ایک کی ہی رہنمائی
 خدا کیلئے ہو۔ جھوٹ مت بولو اگرچہ سچ بولنے سے تمہاری جان کو نقصان پہنچے یا اس سے تمہارے ماں باپ کے
 ضرر پہنچے اور قریبوں کو جسے بیٹے وغیرہ کو۔ اور چاہئے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں سچی گواہی سے نہ روکے۔ سچے
 اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائیں گے۔ ان کی عادت ہے کہ ادروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں اور چھوٹوں
 کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے۔

منجملہ انسان کے طبعی امور کے ایک عنصر ہے جو اس کو ان مصیبتوں اور بیماریوں اور دکھوں پر کرنا پڑتا
 ہے جو اس پر ہمیشہ چڑھتے رہتے ہیں اور انسان بہت سیلے اور خیر و شر کے بعد صبر اختیار کرتا ہے لیکن جانتا
 چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی پاک کتاب کے رد سے وہ صبر اخلاق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک حالت ہے جو تھک
 جانے کے بعد ضرورتاً ظاہر ہو جاتی ہے یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ صبر
 کے ظاہر ہونے کے وقت پہلے روتا چیتا سر پٹتا ہے آخر بہت سا بخار نکال کر جوش قائم جاتا ہے اور انتہائی
 پسینہ پھینکتا پڑتا ہے پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں انکو خلق سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اس کے
 متعلق خلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھ کر کوئی
 شکایت منہ پر نہ لائے اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لے لیا اور ہم اس کی رضا کے ساتھ رضی ہیں
 اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے:- وَلَکُمْ مِمَّا کَسَبْتُمْ

لِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَكَبُرَ الْمُسْرِينَ
 الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ
 مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ یعنی اسے مومن ہم تمہیں اس طرح آزماتے رہیں گے کہ کبھی
 کوئی خوفناک حالت تم پر طاری ہوگی اور کبھی فقر و فاقہ تمہارے شامل ہوگا اور کبھی تمہارا مالی نقصان ہوگا
 اور کبھی جانوں پر آفت آئیگی اور کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہو گے اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلیں گے
 اور کبھی تمہاری پیاری اولاد مرگے پس ان لوگوں کو خوشخبری ہو کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ
 ہم خدا کی چیزیں اور اس کی امانتیں اور اسکے مملوک ہیں پس حق یہی ہے کہ جسکی امانت ہے اس کی طرف رجوع
 کرے یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پاگئے غرض اس خلق کا نام صبر اور رضا
 برضائی ہے۔ اور ایک طرح سے اس خلق کا نام عدل بھی ہے کیونکہ جب کہ خدا تعالیٰ انسان کی تمام زندگی میں اس
 کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور نیز ہزار باتیں اس کی مرضی کے موافق ظہور میں لاتا ہے اور انسان کی خواہش
 کے مطابق ہر قدر نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں کہ انسان شمار نہیں کر سکتا تو پھر یہ شرط انصاف نہیں کہ اگر وہ کبھی
 اپنی مرضی بھی منوانا چاہے تو انصاف منحرف ہو اور اس کی رضا کے ساتھ راضی نہ ہو اور چون چرا کرے یا
 بیدین اور بے راہ ہو جائے ۔

اور منجملہ انسان کے طبعی امور کے جو اسکی طبیعت کے لازم حال ہیں ہمدردی خلق کا ایک جمع شے ہے
 قومی حمایت کا جوش بالطبع ہر ایک شے کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی
 ہمدردی کیلئے دوسروں پر ظلم کر دیتے ہیں گویا انہیں انسان نہیں سمجھتے۔ سو اس حالت کو خلق نہیں کہہ سکتے
 یہ فقط ایک طبعی جوش ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حالت طبعی کوؤں وغیرہ پرندوں میں بھی پائی جاتی
 ہے کہ ایک کتے کے مرنے پر ہزار باکتے جمع ہو جاتے ہیں لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اس وقت دخل ہوگی
 جبکہ ہمدردی انصاف اور عدل کی رعایت کے محل اور موقع پر ہو اس وقت یہ ایک عظیم الشان خلق ہوگا جس کا
 نام عربی میں بواسات اور فارسی میں ہمدردی ہے اسی کی طرف اللہ جل شانہ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا
 ہے: تَعَالَوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ذَلَا تَعَادُوا إِلَىٰ الْأَعْدَاءِ وَالْعَدُوْلَانِ وَلَا تَهْمُؤْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ وَلَا
 تَكُنَ لِلْخَائِشِينَ خَصِيْمًا وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلِفُونَ أَلْفُسَهُمُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْهَادِ
 یعنی اپنی قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے کاموں میں کرنی چاہئے۔ اور ظلم اور زیادتی کے

کاموں میں انہی اعانت ہرگز نہیں کرنی چاہئے اور قوم کی ہمدردی میں سرگرم رہو تھکومت اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے مت جھگڑو جو خیانت کرنے سے باز نہیں آتے خدا تعالیٰ خیانت پیشہ لوگوں کو دوست نہیں رکھتا +

ثلث اور توحید

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

یسوع کی عصمت پر دوسرے اعتراض

ایسا ہی یہودی آج تک یہ بھی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کا ایک یہ بھی تو ریت کے رو سے گناہ تھا کہ اہل نے ماں کی بے عزتی کی۔ دیکھو متی باب ۷۔ ۴۔ وہ یہ بھی اس پر الزام رکھتے ہیں کہ وہ عداً ایک بیگناہ کی نقصان رسائی کا مرتکب بھی ہوا دیکھو متی باب ۵۔ ۱۳۔ انکا یہ بھی اعتراض ہے کہ اسوجہ سے بھی تو ریت اسکو گناہ کا ٹھہراتی ہے کہ اُس نے اپنے شاگردوں کو حرام کا مال کھانا بیسے منع نہ کیا۔ دیکھو متی باب ۱۔ ۱۵۔ وہ بڑے دعوے اور اصرار سے اسلئے بھی اسکو مجرم ٹھہراتے ہیں کہ اُس نے ایک بدکار اور فاحشہ عورت کو موقع دیا کہ اُسکے بعض نہانے سے اپنے اعضا چھوئے اور اپنے مال حرام کا عطر اس کے سر پر ملے۔ دیکھو لوقا۔ باب ۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تو ریت کے رو سے نہایت سخت اور قابل نفرت اس سے یہ بھی گناہ ہوا کہ اُس نے خدا کی تحقیر کی اور اپنے تئیں اس کے برابر ٹھہرا کر اس کے نام کو بے عزت کیا۔ پس وہ اس حرکت سے نہ صرف گناہ کا بلکہ کافر اور واجب القتل ہو گیا۔ دیکھو یوحنا باب ۵۔ ۱۸۔ انکا ایک بھی اعتراض ہے کہ مریم مگدینی ایک عورت فاحشہ تھی کیوں یسوع نے اسکو اخیر تک اپنے پاس کھا اور اپنے تئیں اسکی صحبت سے نہ بچایا۔ وہ لوگ اسکی گناہ سونے کا یہ بھی موجب ٹھہراتے ہیں کہ اُن کا قول ہے کہ ایک مرتبہ یسوع کسی بیگناہ عورت پر عاشق ہو گیا تھا اور قوم ہر ایل میں اس گناہ کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ ایک بزرگ نے جو مسیح کا استاد بھی تھا

اس سے وہ حرکت دیکھ کر اور سخت ناراض ہو کر ہمیشہ کیلئے اس کو اپنے سے علیحدہ کر دیا دیکھو کتاب سفیر لولڈ ٹیچر
یہودی لوگ اپنی شرارت اور خباثت سے یہ بھی الزام پیش کرتے ہیں کہ یسوع مسیح کی ماں پاکدامن نہیں تھی یعنی
حضرت مسیح کی پیدائش لغو ذالہ باللہ ناجائز ہے اور یہ امر صریح معصوم ہونے کے برخلاف ہے۔ مگر باورسی صاحبوں
کے لئے بڑی مشکل ہے کیونکہ جبکہ مان لیا گیا ہے کہ یسوع کی پیدائش اپنے باپ کی طرف سے نہیں تھی تو اس بات
کا ثبوت عیسائیوں کے ذمہ ہے کہ روح القدس بھی عورتوں کو حاملہ کر دیا کرتا ہے اور صبتک نظیروں کے ساتھ ہکا
ثانی ثبوت پیش نہ کیا جائے تب تک معترضین کا حق ہے کہ اعتراض کریں *

ہندوؤں میں اس قسم افسانے بہت ہیں اور پوراؤں میں اس قسم تذکرے پائے جاتے ہیں کہ بعض
عورتوں کو چاند سے حمل ہو گیا تھا اور بعض کو سورج سے اور بعض کو اندر سے اور دیوتا سے لیکن وہ
نظیریں بھی یقینی طور پر پیش کرنے کے لائق نہیں کیونکہ ہندوؤں میں نیوگ کی بھی رسم ہے جو مقدس مانتی گئی ہے
اور معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فطرت کی حیا کے سبب نیوگ کی اولاد کو ان اجرام کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو گا کیونکہ
ہندوؤں کے نزدیک نیوگ کی رسم ایک بڑی مقدس رسم اور گود دوسری قومیں اپنی جنسیت کی وجہ سے اعتراض
کریں مگر چونکہ یہ تمام کارروائی دید کے رو سے ہے اسلئے ایک مانتا آریہ اس بات سے کچھ بھی کراہت نہیں کرتا کہ کسی قوت
اولاد کی ضرورت کی وجہ سے اپنی بیوی کو دوسرے سے ہم بستر کرانے اور وہ بھاگوان اس طرح پر اجنبی مرد کے ذریعہ
گیارہ تک اولاد زینہ لے سکتی ہے مگر لڑکیاں حساب سے باہر ہیں گو میں ہو جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دید کے اوائل
زمانہ میں نیوگ میں یہ شرط تھی کہ اس صدمہ ریت کے بجالانیوالا کوئی مقدس برہمن ہو اور ہتھارہ کے طور پر اسی کو سورج
یا چاند یا اندریا اور کوئی آسمانی دیوتا گم دیا کرتے تھے اور جانوں سے حقیقت کو چھپانے کیلئے قوم کے بزرگوں میں
یہ ایک اصلاح تھی مگر پھر بعد اسکے نیوگ کا مسئلہ بہت وسیع کیا گیا اور برہمن کے لفظ میں بزرگ اور مقدس ہونے کی شرط
نہ رہی بلکہ یہ لفظ عام قومیت پر اطلاق پا گیا اور اب بغیر شرط اعمال کے ایک خاص قوم کے لوگوں کو جو شاید ان بزرگوں
کی اولاد ہیں برہمن کہا جاتا ہے اور ان ہی نیوگ کی رسم کرائی جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس رسم کیلئے
کسی دوسرے کو جو مضبوط جان قابل ٹھہرنے کے ہو انتخاب کیا جاتا ہے ہندوؤں میں نیوگ کی رسم بکثرت ہی
ہے اور اب بھی ہے مگر یہ کارروائی بہت پردہ سے اور احتیاط سے کی جاتی ہیں غرض ہندوؤں کے خاندانوں کی ایسی
نظیروں میں کہ کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو گیا بہت شبہ ہے اسلئے ہم ان سے جیسا کہ چاہئے فائدہ نہیں اٹھا سکتے
اور یونانیوں میں بھی ایسے تذکرے ہیں مگر دراصل یونانی گویا یورپ کے ہندو ہیں پس کچھ شک نہیں کہ وہ بھی نیوگ

کی رسم کو پوشیدہ رکھ کر ایسے بچوں کو دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں یا یوں کہو کہ انہوں نے بھی مقدس انسانوں کو دیوتا ہی سمجھ لیا تھا۔ اور ہندوؤں میں تو ابتداء میں عام خیال کیا جاتا ہے کہ رشی رکھی سب پریشکر کے ہی مورت ہیں اسی وجہ سے بہت سی عورتیں جگن ناتھ یا کاشی جی کے مندر رو نہیں کسی مقدس برہمن سے اولاد لینے کیلئے پڑی رہتی ہیں اور بعض جگی جو بڑے مہاتماں اور مدہ گویا پریشکر کا روپ کھاتے ہیں وہ اجدھیا یا کاشی یا جگن ناتھ جی کے جنگلوں میں کسی تالاب یا کسی بھاری سرسبز درخت کے نیچے پریشکر کے دھیان میں بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ سب سخت درجہ پر محو ہوتے ہیں اور ایسی انقطاع کی حالت ان پر طاری ہوتی ہے کہ سچ منج ایشورہی کے اوتار نظر آتے ہیں اور وہ بدتمت ہندو جن کو اولاد کی کمی ہے وہ دید کی آگیا سے ان مہتم مورت رشیوں کی پیرت میں اپنی جوان عورتیں ہر طرح سے آراستہ کر کے بھیجتے ہیں اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ چند دن میں ہی وہ عورتیں حاملہ ہو کر گھروں میں آجاتی ہیں اور شاید رام جی کا لفظ جو ہندو مذہب کے طوائف پر بولا جاتا ہے اسکی اصلیت بھی یہی ہے کہ ان مقدسوں کو رام یعنی پریشکر سمجھا جاتا ہے اور اس طرح کی ذریت رام جی کہلاتی ہے +

غرض جس بات کی ہم تلاش میں تھے یعنی یہ کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا اسکی نظیر یقینی طور پر ہندوؤں اور یونانیوں میں ہمیں نہیں ملے بلکہ اکثر یہ قصے استعاروں کے رنگ میں پائے گئے گو ممکن ہے کہ ایسا بھی ہو لیکن امکان ثبوت کے قائم مقام نہیں ہو سکتا پھر جبکہ یہودائسم کی پیدائش کو مانتے نہیں اور عیسائیوں کے پاس اس قسم کے نظائر نہیں تو اس مسئلہ کے حل کرنے میں بڑی مشکلات کا سامنا ہے۔ چونکہ مخالف کی نظر حضرت مسیح جیسے نبی کی پاک فطرت پر دھبہ لگاتی ہے اور معصوم ہونے کے دعوے کو سر سے اڑا دیتی ہے اسلئے میرے خیال میں پادری صاحبوں کا یہ فرض ہے کہ سب سے پہلے اس شکل پیش آمدہ سے کوئی رہائی کی راہ نکالیں۔ اور یہ کہنا کہ مسیح خدا تھا اس کو باپ کی کیا حاجت تھی یہ دعوے پر دعوے ہے کیونکہ ابھی کہاں ثابت کیا گیا ہے کہ درحقیقت وہ خدا ہے کیا چند معمولی نشان جو محض قصوں کے رنگ میں پائے جاتے ہیں اور ایسے فوق العادت امور میں دوسرے نبی شریک بھی ہیں ان قصوں کے خدائی ثابت ہو جائیگی؟ ماسوا اس کے اگر فرض کے طور پر مان لیا جائے کہ مسیح چونکہ خدا تھا اسلئے وہ بغیر باپ کے پیدا ہو سکتا تھا تو ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر باوجود خدا ہونے کے اس کو ماں کی حاجت کیوں پڑی۔ اور ایک منکر کہہ سکتا ہے کہ جبکہ مسیح بغیر ماں کے پیدا نہیں ہو سکا تو اس سے تیس کر سکتے ہیں کہ باپ بھی کہیں مخفی ہو گا اور چونکہ ہم کسی مخالف کا بغیر حجت قوی کے منہ نہیں بند کر سکتے اس لئے اس سوال کا ہمارے پاس کیا جواب ہے اگر کوئی یہ کہے کہ کیوں جائز نہیں کہ اندر اور چاند کی اولاد کی طرح اس جگہ بھی کوئی استعارہ ہی ہو اور

صدیقہ کے محل کیلئے کوئی معفی صدیق ہو اور ایک عیسائی کی طرف سے یہ جواب نیک نیتی سے نہیں ہو سکتا اور نہ بطوحجت صحیحہ کے قابل تہدلال کہ قرآن نے حضرت مسیح کی ولادت کو بے پدر مان لیا ہے کیونکہ جس حالت میں قرآن کی وحی انکے نزدیک خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ نعوذ باللہ انسانی افتراء ہے تو کیا وہ انسانی افتراء سے اپنی بات کو سرسبز کرنا چاہتے ہیں پس قرآن کی شہادت اُن کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی بجز اس کے کہ وہ قرآن وحی کو منجانب اللہ قبول کر لیں۔

اس شکل کے محل کرنے کیلئے مسلمانوں میں سے ایک نسل قد نے جو یہودیوں کے نام سے مشہور ہیں یہ خیال کو ظاہر کیا ہے کہ حقیقت عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے نطفہ سے تھے لیکن یہ خیال عقل اور نقل دونوں کے مخالف ہے کیونکہ اگر صرف اتنی ہی بات تھی کہ حضرت مسیح بھی اپنے چار اور بھائیوں کی طرح یوسف کے نطفہ سے پیدا ہوئے تھے تو عقل قبول نہیں کر سکتی کہ جو شور قیامت حضرت مریم کے سر پر یہودیوں نے مچایا جس کو قرآن شریف نے آیت و مہاکانت امّک بغیا میں بیان فرمایا ہے وہ ایسی معمولی اور جائز پیدائش میں مچایا جاتا تو نقل سے اسلئے یہ خیال مخالف ہے کہ قرآن کی نص صریح سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم ابھی پیٹ میں ہی تھیں کہ ان کی والدہ نے اپنے پر یہ نذر مان لی تھی کہ اس نے اپنے پیٹ کے بچے کو ہیکل یعنی خانہ خدا کی خدمت کے لئے تمام عمر تک وقف کر دیا ہے اور عہد کر لیا ہے کہ وہ بچہ جو پیٹ میں ہے ہمیشہ کیلئے دنیا کے تعلقات اور نیز خلق برہی یا مہیاں سے دست بردار رہے گا تو اس صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ برخلاف عہد کے مریم صدیقہ کا ناطہ کسی شخص سے کیا جاتا بلکہ وہ پیدا ہونے پر نذر کے موافق ہیکل کے بزرگوں کے سپرد ہو چکی تھی اور ماں باپ قطعاً اس سے دست بردار ہو گئے تھے جیسا کہ آیت و کفلاھا ذکر کیا ہے ظاہر ہے یعنی بعد اس کے کہ وہ لڑکی ماں باپ کے ہیکل کے بزرگوں کے حوالہ کر دی ذکر یا نبی اسکی پرورش کا مکفل ہو گیا اور یہودیوں میں یہ قدیم رواج تھا کہ اس طرح ہیکل کی خدمت کیلئے رہبانہ زندگی بسر کرنے والے لڑکے اور لڑکیاں ماں باپ کی نذر مقرر کرنے سے مقرر ہو جاتی تھیں۔ اسی قصہ کو قرآن شریف کی یہ دو آیتیں تصریح سے بیان کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

اذ قالت امراة عمران دب ابی ذلرت لك ما فی بطنی محترما فتقبل منی انك انت السمیع العلم۔ دیکھو سورۃ آل عمران۔ یعنی وہ وقت یاد کر جبکہ عمران کی بی بی نے جناب الہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسکو میں تعلقات زوجیت اور دوسرے کاروبار دنیا سے آزاد کر کے تیری نذر کرتی ہوں پس میری نذر قبول کر تو سمیع علیم ہے۔ اس آیت میں دو نطفہ قابل یادداشت ہیں ایک

نذیر اور دو کمر محض۔ نذر کا لفظ اس چیز پر لاجا تا ہے جس کو انسان اپنے دلیں کسی خاص شخص کیلئے مخصوص کر لیتا ہے اور محض نذر کا لفظ اسکی تاکید میں ہے جس سے مطلب ہے کہ کسی طرح سے غیر کو اس میں شراک نہیں ہو گا یہاں تک کہ والدین بھی ایسے بچے اپنی اطاعت نہیں چاہتے اور نہ کسی اور کی قید اطاعت میں اسکو لاتے ہیں پس ان آیات صاف ثابت ہے کہ مریم کو نذر کے طور پر سیکل کی خدمت کیلئے تاکو بٹھایا گیا تھا اور چونکہ تورات میں حکم ہے کہ اپنی نذروں اور قسموں کو پورا کرو اسلئے والدین کا اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی نذر کو توڑ کر مریم کا کسی سے ناطہ کر دیتے لہذا یہ خیال کہ مریم کا یوسف سے ناطہ ہو گیا تھا اور اس کے بعد یوسف سے حمل ہو گیا نہایت جاہلانہ خیال اور نص و سچ قرآن کے مخالف ہے اور انجیل بھی اس خیال کی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وہ انجیل جو حال میں لندن میں چھپی ہیں جو ان چار انجیلوں کے علاوہ ہیں ان میں بھی یہ نذر کا قصہ موجود ہے جو قرآن شریف سے مطابقت رکھتا ہے بلکہ ان میں تو لکھا ہے کہ نہ صرف ان نے یہ نذر مان لی تھی بلکہ مریم کے باپ نے بھی نذر مان لی تھی اور خود مریم نے بھی بالغ ہو کر بڑے سسر اپنے قہر اور عہد سے اس نذر کی تجدید کی تھی یعنی خدا کے آگے عہد کیا تھا کہ وہ مرتے دم تک دند نہیں کریگی اسباب جنگ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس عہد اور نذر کے کہ مریم کے باپ رماں اور خود مریم کی طرف سے تھا پھر کیوں مریم نے خداوند کریم اور تورات کے حکم کو توڑ دیا۔

اس سوال کا جواب کسی پادری صاحب نے صفائی سے نہیں دیا لیکن حال میں مجھے ایک فاضل یہودی کی کتاب ملی ہے جس میں صریح طور پر اس عقیدہ کو حل کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ مریم جب سیکل کی خدمت کے لائق ہوئی تو کچھ مدت تو نیک نامی کے قضا خدمت میں مشغول رہی لیکن بالغ ہونے کیساتھ ہی کسی نامعلوم طریق سے اسکو حمل ہو گیا اور اس پر شہادت پیدا ہوئی اور یہودیوں نے ایک عیسیٰ سپاہی پر یہ الزام لگایا یا بہر حال جب وہ حاملہ پائی گئی تو سیکل کے منتظم بزرگوں کو یہ امر بہت شاق گذرا اور انہوں نے اس حمل کے بعد مریم کو سیکل کی خدمت پر رکھنا نامناسب تصور کیا اسلئے انہوں نے کوشش کر کے ایک بوڑھا آدمی بنی اسرائیل میں سے تلاش کیا جس کا نام یوسف تھا اور اسکو مجبور کیا کہ مریم کو اپنے محل میں لاؤ وہ شخص بوڑھا بھی تھا اور وجہ معاش بھی نہایت قلیل تھی ایسے بوڑھے تھا اور اس کے گھر میں اسکی جو زوجہ بھی زندہ موجود تھی ان مشکلا کے سبب مریم کے جو رو بچنے سے اس نے انکار کیا اور بزرگوں کی خدمت میں بادب عرض کی کہ میں بوڑھا ہوں اور میرے گھر میں ایک بیوی موجود ہے اور بچے بھی ہیں اسلئے مجھے اس بچہ سے معاف رکھا جائے مگر بزرگوں نے بہت ہراسہ کر کے بہت عزت تمام مریم کا اس سے بچہ کرا دیا اور مریم کو سیکل سے رخصت کر دیا تا خدا کے مقدس گھر پر تختہ چینیان نہ ہوں پھر کچھ تھوڑے دنوں کے بعد ہی وہ لڑکا

پیدا ہو گیا جس کا نام یسوع رکھا گیا۔ آج تک یہود اس بات کو نہیں مانتے کہ وہ لڑکا معجزہ کے طور پر پیدا ہوا تھا۔ انھیں اس یہودی نسل کا یہ بیان ہے جو ہم نے لکھا۔ اور اس بیان سے بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ کیوں ضرورت نجات کی پڑی تھی اور اس کے مقابل پر جو انجیلوں میں بیان ہے کہ گویا مریم صدیقہ کا معمولی طور پر جیسا کہ دنیا جہان میں دستوراً یوسف سے ناطہ ہوا تھا یہ بالکل دروغ اور بناوٹ ہے بلکہ سچ بات یہی ہے کہ پہلے کے تنظیم بزرگوں نے ایک بار کہ عورت کے حمل کو دیکھ کر اور دشمنوں کے اعتراض سے ڈر کر اور خاندان کی نصیحت سے اندیشہ کر کے پردہ پوشی کیلئے یہ تدبیر سوچی تھی اور ہر چند وہ جانتے تھے کہ ایسا نجات تو دیتا ہے مگر خلاف ہے کیونکہ وہ عہد جو مریم کے تارک رکھنے میں خدا سے کیا تھا۔ وہ اس میں ٹوٹا تھا تاہم ننگ ناموس کی مصلحت کے اور شہادتِ اعدا کے خوف نے ان کو اس کام کیلئے سخت مجبور کر دیا تھا اور ہر چند اس حمل کو اس طرح پوشیدہ کیا گیا تھا تاہم شریعہ یودیوں نے جو اس خاندان کے دشمن تھے ناجائز طور پر شہرت دیدی تھی چنانچہ آج تک انہی خیالات سے وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کو جو یسوع ہے یسوع بولتے ہیں یعنی بغیر عین کے اور یہ ایک الیا گندہ لفظ ہے جس کا ترجمہ کرنا ادب سے دور ہے اور میرے دلیس گذرتا ہے کہ قرآن شریف نے جو حضرت مسیح علیہ السلام کا نام عیسیٰ رکھا وہ اسی مصلحت سے ہے کہ یسوع کے نام کو یہودیوں نے بگاڑ دیا تھا اور ایسے بد خطابوں کے ان کا یہ مطلب تھا کہ تا اپنی جلی شہر اوتوں حضرت مسیح اور ان کی والدہ صدیقہ چال چلن پر ناجائز حملہ کریں اور ان کو عصمت اور طہارت سے محروم قرار دیں پس جس نہایت مکروہ صورت پر حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ پر بتان لگائے گئے اور ان کی عیب شماری کی گئی اسکی نظیر دوسرے تمام نبیوں میں نہیں پائی جاتی حضرت مریم صدیقہ اور ان کے سعید لڑکے کو ایسے بتانوں سے جو کچھ دل پر صدمہ پہنچتا ہو گا اس کا اندازہ ہر ایک شریفانہ کر سکتا ہے۔

انہی بتانوں کی وجہ سے یہودی پر یہ پھٹکار پڑی کہ جو عیبہ حضرت مریم اور حضرت مسیح پر لگاتے تھے وہی عیبان کے مردوں اور عورتوں میں پھیل گئے کیونکہ یہ سنت اللہ ہے کہ جو قوم کسی نبی پر کوئی عیب لگاتی ہو اس عیب میں خود گرفتار ہو جاتی ہے مثلاً یورپ کے پادریوں اور ان کے پیروؤں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فسق و فجور کا عیب لگا یا تھا آخر یہ لوگ بقدر استیفاء لذات اور ناجائز شہوات میں گمے اور جس قدر ایک گروہ کثیر یورپ کے مردوں اور عورتوں نے کھلی کھلی حرام کاری کے نمونے دکھائے دوسرے ملکوں میں اسکی نظیر تلاش کرنا ایک عبت کو شش ہے غرض جو کچھ حضرت مسیح اور ان کی والدہ کی نسبت یہودنا سعود ایک طے مار عیبوں کا جمع کر رکھا ہے اور صیبا کہ ان کی ساری زندگی گناہ سے بھری ہوئی زندگی قرار دی ہے یہ نظارہ پادریوں کیلئے ایک نہایت عبرت کا نظارہ ہے اور اس سے سمجھ آ سکتا ہے کہ کیونکہ ہر ایک شخص کیلئے عیب جوئی کا میدان وسیع ہے۔ پھر ان خیالات

میں پڑنا کہ دوسرے تمام نبیوں کو گندگار قرار دیں اور مسیح کا نام معصوم رکھیں گویا خود لوگوں کو اس طرف توجہ دلانا ہے کہ اٹھو تم بھی یسوع مسیح کے پیروں کی تلاش کرو۔ یہ یاد رکھیں کہ اس غیر مہذب اور گندے طریق میں پڑ کر اُن کو کامیابی نصیب نہیں ہوگی اور نہ یہ شرفیول اور نیک فطرت انسانوں کی عادت ہو سکتی ہے کہ خدا کے اُن مقبس نبیوں کو کالیاں دیں اور اُن کا نام فاسق اور ناجائز رکھیں جن کو اُس کا حقیقی لئے کر ڈرا مخلوقات کے پیشوا ٹھہرا کر جہاں جلال کے تحت پر بٹھا دیا ہے خوب یاد رکھو کہ تم دوسرے نبیوں کو بدنام کر مریم کے بیٹے کو نیک نہیں بنا سکتے خدا کے تمام پاک نبی ایک وجود کے حکم میں ہیں جب وجود واحد میں سے ایک عضو کی صحت خراب ہو جائے تو سارے وجود کی صحت خراب ہو جاتی ہے کسی کا عیب امت تلاش کرو کہ وہی عیب تم پر لگا یا جائیگا یہ گمان مت کرو کہ دوسرے نبیوں کو عیب ناک ٹھہرا کر یسوع مسیح بے عیب ثابت ہو جائیگا بلکہ خدا کی غیرت جو اس کے پاک نبیوں کیلئے ہے وہ تمہیں دکھلائیگی کہ یسوع کے مخالفوں نے سب سے زیادہ اس کے عیب دکھلائے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اس کی والدہ کی عزت پر حملہ کر کے یسوع کی ولادت کو بھی عیب ناک صورتیں دکھلایا ہے پھر معصوم کیسا اور عصمت کس بات کی۔ یہ قرآن شریف کا مسیح اور اس کی والدہ پر احسان ہے کہ کر ڈرا انسانوں کی یسوع کی ولادت کے بارے میں نہ بان بند کر دی اور اُن کو تعلیم دی کہ تم ہی کو کہ وہ بے باپ پیدا ہوا تھا اور نہ اگر قرآن بھی وہی رائے حضرت مسیح کی ولادت اور ان کی ماں کی چال چلن کی نسبت ظاہر کرتا جو یہودیوں کے ظاہر کی تھی تو تمام دنیا اسی کثرت رائے کی طرف مائل ہو جاتی اور ضرورۃً اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت مسیح اور اُن کی ماں کی معصومت ثابت کرنا ایک امر محال اور غیر ممکن ہو جاتا۔ اور گواہ بھی لوگوں کو اس جدید منطق کی طرف راہ نہیں کہ کیونکہ روح القدس کنواری عورتوں کو عطیہ صل عطا کر دیا کرتا ہے اور نہ کسی کے پاس اس کی نظیریں ہیں لیکن چونکہ اسلام نے وحی الہی کی اطاعت سے اس کے حمل کو مان لیا ہے اسلئے ایمانی رنگ پس کسی دلیل سے مسلمانوں کو قبول کرنا پڑا کہ ایسا ہی ہوگا۔

اب حاصل کلام یہ ہے کہ مسیح کا یہ کہنا کہ مجھے کیوں نیک کہتا ہے اس سے مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ مسیح اس طرح کی تعریف سے ناخوش تھا جب تک اس کو خدا خدا کر کے نہ پکارا جائے بلکہ ہر ایک پانچواں شخص اسی پر گواہی دیتا ہے کہ مسیح نے خدا کی عصمت اور جلال کو یاد کر کے اور اپنی فطرتی کمزوریوں کو تصور میں لا کر نہ چاہا کہ اس کو نیک کہا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ مسیح نے اس کلمہ سے اُس نیک کہنے والے کو یہ بھی بتلایا ہو کہ جب کہ تم لوگ اپنے دلوں میں مجھے اچھا نہیں جانتے اور کہتے ہو کہ یہ شخص شراب خوار اور بے قیاد اور اجنبی

عورتوں سے تعلق رکھنے والا ہے اور ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور نہ سبت کی تعلیم کرتا ہے بلکہ میری ماں پر بھی ایسی ایسی تمتمیں لگاتے ہو تو پھر زبان سے مجھے نیک کہنا کیا فائدہ زبان سے وہی بات کہو جو ہمارے دل میں ہے یہ خیال اس لئے قرین قیاس ہے کہ یہود اب تک مسیح کو اچھا نہیں جانتے جس شخص نے یہودیوں کی کتابیں دیکھی ہوں گی یا ان کے علماء سے مسیح کے چال چلن کی نسبت کچھ استفسار کیا ہو گا وہ سیر اس بیان کی تصدیق کریگا کہ عیسائیوں نے جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نکتہ چینی کی ہے وہ اس نکتہ چینی سے بہت ہی تھوڑی ہے جو یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کرتے ہیں کوئی ایسا الزام جو تقویٰ اور نیک چلنی کے برخلاف ہو تصور میں نہیں آسکتا جو یہود نے حضرت مسیح اور ان کی ماں اور ان کے حواریوں پر نہیں لگایا جس قدر گستاخی سے حضرت مسیح اور ان کی ماں کی نسبت انہوں نے عیب شامی کی ہے ایک مسلمان کی قلم سے وہ باتیں نہیں نکل سکتیں لیکن یہودیوں کے اعتراضات کا توڑنا سہل بات نہیں وہ خدا کے مقدس کلام کو پیش کر کے لکھتے ہیں کہ ضرور تھا کہ سچے مسیح سے پہلے ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آنا جیسا کہ ملاکی کی کتاب میں بھراحت موجود ہے پھر ابن مریم سچا مسیح کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے آتے پہلے ایلیا آسمان نازل نہیں ہوا یہودی مسیح کی اس تاویل کو نہیں مانتے کہ ایلیا کے نزول سے مراد کوئی اور شخص ہے یعنی یوحنا جو ایلیا کے خواہر طبیعت پر آیا وہ کہتے ہیں کہ یہ لحدانہ تاویل ہے اور ایک گناہ ہے جو اس مظلوم پر آیا کیونکہ اس نے اپنے تئیں مسیح صادق ٹھہرائے کیلئے خدا کے کلام کی تحریف کی ایک یہودی فاضل اپنی کتاب میں جو اس وقت میرے سامنے رکھی ہے لکھتا ہے کہ ہمارے لئے خدا کے سامنے یہ جیت بس ہے کہ خدا نے ملاکی نبی کے صحیفہ میں یہ خبر دی ہے کہ خود ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئیں گے یہ ہیں کہا کہ اس کا شیل آئیگا پھر ان کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ انجیلوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مریم روح القدس سے حاملہ پائی گئی لیکن اجمال باب ۲-۳۰ میں لکھا ہے کہ خدا نے داؤد نبی سے قسم کھا کر کہا کہ مسیح تیری نسل سے ہو گا اگر مسیح روح القدس سے ہے تو داؤد کی نسل سے کیسے ہو سکتا ہے اور تو ریسے ظاہر ہے کہ نسل مرد سے کھلاتی ہے +

یسوع کی عملی غلطیاں

اب اس امر کا لکھنا بھی اسبجکٹ غیر موزون نہ ہو گا کہ جس قدر مسیح کی عصمت اور راستبازی کے بارے میں یہودیوں نے نکتہ چینی کی ہیں عیسائی قوم کے بعض محققوں نے ان سے کم نہیں کیں دہکتے ہیں کہ

انسان معصوم وہ ہوتا تھا کہ جو غلطی کرنے سے بھی معصوم ہو اور گنہ سے بھی معصوم ہو لیکن مسیح سے دونوں رنگ میں خلاف عصمت حرکات صادر ہوئی ہیں وہ اخیر عمر تک شراب پیتا رہا اور شراب پینے کا حامی تھا اور شراب پینے والی اور بدکار عورتوں کی اُس کے پاس آمد و رفت تھی وہ بعض ناکردہ گنہ لوگوں کی نقصان سالی کا بھی موجب ہوا اور اُس نے شراب کو عشاء و رات پانی یعنی ایک مذہبی رسم میں داخل کر کے عیسائی مذہب میں ہمیشہ کیلئے برائونہ قائم کیا جس کا خمیازہ آج تک یورپ کی قوموں کو کھینچنا پڑا یعنی شراب کا رواج حد سے زیادہ ہو گیا۔ پس کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ گنہ سے معصوم تھا اور گنہ گار نہ تھا ایسا ہی وہ خطا سے بھی معصوم نہ تھا چنانچہ ظاہر ہے کہ اُس نے محض اپنی ذاتی غرض پر نظر رکھ کر ایسا کی دوبارہ آنے کی پیشگوئی کے حقیقی معنی ترک کر کے تاویل کے طور پر بیان کیا اور کہا کہ ایلیا خود نہیں بلکہ اس کی خواہر طبیعت پر کوئی اور لگیا ہے حالانکہ ملائکہ نبی کے صحیفہ میں صاف لکھا تھا کہ مسیح سے پہلے ایلیا کا دوبارہ آنا ضروری ہے مسیح کو اس تاویل کی اسلئے حاجت پڑی کہ وہ حقیقی معنوں کے بعد سے جو ظاہر الفاظ سے نکلتے ہیں سچائی بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا چاہے کہ اُس کو خدا بنا یا جاتا پس اس صورت میں اگر مسیح کی نسبت بہت ہی نرمی اور نیک فہمی کی جائے تب بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہودیوں کے مقابل پر مسیح نے صریح غلطی کی راہ اختیار کی ہے یا یوں کہو کہ خواہ خواہ سچا مسیح بننے کیلئے ظاہر اور کھلے معنوں کو عمدتاً ترک کر دیا ہے اگر مسیح نے صحت نیت اور ایمان داری سے انہی معنوں کو صحیح سمجھا ہے یعنی یہ کہ حقیقی طور پر ایلیا کی آمد ثانی مراد نہیں ہے بلکہ کسی اور کا آنا مراد ہے تو پھر اُس نے اپنی آمد ثانی کے بارے میں یہی معنی کیوں بیان نہ کئے کہ وہ خود دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا بلکہ کوئی اور شخص جو اسکی خواہر طبیعت پر ہوگا آئے گا اب صاف ظاہر ہے کہ ایلیا کی آمد ثانی جس کے آج تک یہودی منتظر ہیں مسیح کے دعوے کو باطل کرتی تھی اور اسکو کاذب ٹھہراتی تھی اسلئے اس نے اپنے تئیں سچا مسیح بنانے کیلئے یہی مصلحت دیکھی کہ ایلیا کی حقیقی آمد ثانی سے انکار کر دے بجز اس کے اُسکے لئے کوئی اور راہ نہ تھی اور نہ یہ قدرت تھی کہ اس کو زندہ کر کے بیت کر سکتا لیکن اپنی آمد ثانی میں اُسکی ایک اور مصلحت تھی اور وہ یہ کہ مسیح کا یہ دعوے کہ داؤد کا تخت دوبارہ قائم کر نیکیے لئے میں

ذیہ مریم گلدینی اور نیز اُس فاحشہ عورت کی طرف اشارہ ہے جس نے مسیح کے سر پر اپنا عطر ملا تھا اور نیز اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں میں مشہور ہے جو مسیح ایک دفعہ ایک عورت پر عاشق ہو گیا تھا اور اسکی وجہ سے بعض بزرگوں نے ہمیشہ کیلئے اس سے حرکات کر دی تھی دیکھو ایک یہودی فاضل کی تالیف سیفر ڈوڈتہ جیشو +

بھیجا گیا ہوں اُس وقت صحیح ثابت نہیں ہوا اور جس قدر لوگ اس دعوے کی امید پر اس کے ساتھ ہوئے تھے
 بہتیراں تھے مرتد ہو گئے لہذا مسیح نے اپنی پہلی کلام کو بدھ کر یہ کہنا شروع کیا کہ میری بادشاہت زمین کی نہیں
 بلکہ آسمان کی ہے اس کے بہتوں کی امیدیں ٹوٹ گئیں کیونکہ یہودی تو زمین کی بادشاہت کے بھوکے اور پیاسے
 تھے وہ آسمان کی محض ایک ہی بادشاہت کے کیونکر تسلی پکڑ سکتے تھے وہ تو اسی امید پر بیٹے تھے کہ ایسا مسیح
 اُن کی قوم میں ظاہر ہوگا کہ جو زمین پر ایک بردست بادشاہت قائم کریگا اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر کے
 انہی ماتحتی سے انکو نجات دیگا۔ اب بجائے اس کے کہ انکی سالہا سال کی امیدیں پوری کیجا تیں حضرت مسیح اس
 طرح انکو تسلی دینے لگے کہ نجات دینے سے مراد گناہ سے نجات دینا ہے اور بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت
 ہے اور ایللیا سے مراد یوحنا ہے جو اسکی خواہ طبیعت پر آگیا ان استعاروں پر ایمان لاؤ اور غیر قوموں کی ذرا غلطی
 کرو اور خوش رہو میں تمہارا ضرور نبی ہوں مگر روحانی طور پر اور ضرور بادشاہ ہو مگر آسمانی طور پر اب یہ پیاسے
 مصیبت کے مارے جو غیر طاقتوں کے پیروں کے نیچے کھلے گئے تباہ ہو گئے برباد ہو گئے ویران ہو گئے ملک سے جلا وطن
 کئے گئے غلام بنائے گئے ذلیل کئے گئے ایسے نبی کو کیا کرتے اور ان پسند لفظوں پر کو خوش ہو سکتے تھے کوئی عمدہ نمونہ بھی تو نظر کے ساتھ
 نہ تھا حواری جنہوں نے اس نبی کو قبول کر لیا تھا وہ بھی طرح طرح کے لالچوں اور بیوقوفی کے قمار تھے جنہوں نے اس نبی پر ہی خیر کار لیت
 بھیجی تھے جبکہ یہودیوں کو کوئی کارنایاں شہ نجات کا دکھائی نہ آیا تو پھر یہودیوں کو مسیح کو نبی ماننے نہ تو باہر برضکی کہ حضرت ہمارا گناہوں کا
 آپ کچھ فکر نہ کریں اسکا ہم خود تدارک کر لینگے ہمارے لئے اس کو چھ کی رہنما توریت کافی ہے اور ہم یہ بھی جانتے
 ہیں کہ آپ اس کا کچھ زیادہ تر بند و بست نہیں سکتے کیونکہ آپ کے شاگردوں میں کوئی عمدہ نمونہ استقامت اور
 ترک نہ کیا کا ظاہر نہیں پھر ہمیں آپ وہاں نعمت کو کنسی دیگے لیکن باتوں کو جانے دیجئے ہم انکو قبول نہیں کر سکتے
 بلکہ ایسی ہیودہ باتوں سے قوم کو زیادہ تر نفرت ہوتی جاتی ہے اگر آپ مسیح ہیں اور نوشتوں کے موافق پہلے درود
 دکھوں کو دور کرنے آئے ہیں تو ہماری قومی کمزوری کا کچھ بند و بست کیجئے غیر طاقتوں کی ماتحتی سے ہمیں لڑائی
 دیجئے جلا وطن شدہ فرقوں کو پھر وطن کا منہ دکھلائیے جسمانی مصیبتوں سے توریت کے وعدے کے موافق مخلصی دلائیے
 اور موسیٰ کی طرح فرعونوں پر ہاتھ صاف کیجئے پھر آپ ہمارے اور ہم تمہارے ہیں مگر ایسے مسیح کو ہم کیا کریں کہ جو
 ایک نہ بھی ہماری ان مصیبتوں کو دور نہیں کر سکتا جنہوں نے اسرائیل کی قوم کو آگ کی طرح کھالیا ہے اور لوہے کے
 تنور میں ڈال دیا ہے۔ یہ یہودیوں کا ایسا سوال تھا جس کا جواب مسیح کو کچھ بھی نہیں آیا مگر وہ دل میں محسوس کر گیا
 کہ اب میں انکے سامنے لا جواب ہوں تب اس نے چالاک سے ایک تیسرا پہلو بدلا یعنی پہلے تو یہ کہا تھا کہ ابھی میں

داؤد کا تخت قائم کرونگا اور جب وہ بات غیر ممکن نظر آئی تو جھٹکے دیا کہ میری بادشاہت آسمانی ہے اور جب یہود نے آسمانی بادشاہت پر بھی ہنسی کی تو اب تیسرا پہلو یہ بدلا کہ اب تو میں زمین کا بادشاہ ہوں نہیں تختا باپ کی مصلحت ہے۔ مگر آخری زمانہ میں میں بڑے جلال کے ساتھ اترؤنگا اور اسرائیل کی قوم کو غیر طاقتوں سے نجات دؤنگا۔ اب جبکہ مسیح نے پیچھا چھوڑنے کیلئے دور کی ڈال دی اور دل میں یہ خیال کیا کہ اس قدر لمبے زمانہ کی کون تحقیقات کریگا مگر یہودی بھی ان باتوں کے متنازع تھے انہوں نے تاڑ لیا کہ تو مانتا ہے تب انہوں نے بادبعض کی جس کا یہ خلاصہ تھا کہ پس از انکہ من نماںم بچہ کار خواہی آمد تب مسیح نے جھٹ ایک چوتھا پہلو بدل دیا کہ اب بھی میں تم سے زندہ ہونگے کہ میں آجاؤنگا اور تم ابن آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔ تب یہودی اپنی درازی عمر کی خوشخبری پا کر خوش ہو گئے اور سپر زیادہ بحث نہ کی کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ خوشامد کے لفظوں پر زیادہ جرح نہیں کرتا غرض مسیح جیسا کہ انجیل میں متاڈکھاتا ہے اس صاف جوابی میں متاڈکھاتا مگر اس کے یہ پیشگوئی اس کی ایسا قابل شرم دریغ تھا جس کی تصریح کی بھی حاجت نہیں غرض اس فرقہ کے اعتراضات میں سے ایک تو یہی اعتراض جو بیان کیا گیا اور یہ فرقہ لندن میں موجود جو فری تھنکر کہلاتے ہیں اور ہمیشہ اخبارات درمیانے انہی مضمون کے شائع کرتے رہتے ہیں عیسائی دوسروں پر حملہ کرتے ہیں اور وہ عیسائیوں پر یہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جبکہ مسیح الیاس کی آمد ثانی کی نسبت جو تبصرع صحیفہ ملاکی میں موجود ہے کہ وہ آمد حقیقی طور پر نہیں بلکہ اس سے مراد یوحنا ہی ہے جو ایلیا کی خواہر طبیعت پر آیا ہے تو مسیح کو مناسب تھا کہ اپنی آمد ثانی کو بھی اسی طور پر قرار دیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ دونوں موقع پر دوسم کی مصلحت کو مد نظر رکھا ہے چونکہ ایلیا کی حقیقی طور پر آمد ثانی مسیح سے پہلے نہیں ہوتی اس لئے اس کو اپنی بات بنانے کیلئے کہنا پڑا کہ ایلیا سے مراد یوحنا ہے تا اپنا دعوے پر پادہ ہو جائے لیکن دوسرے موقع پر جہاں اپنی آمد ثانی کا ذکر ہے یہودیوں کے آنسو پونچنے منظور تھے تا وہ جمانی طور پر جیسا کہ وہ انتظار کرتے تھے منجی سمجھ لیں لہذا یہی کہہ دیا کہ میں ہی آجاؤنگا اور یہ سراسر فریب کا طریق ہے کہ ایلیا کی آمد ثانی کے وقت کچھ کہا اور اپنی آمد ثانی کی وقت کچھ کہا اور دونوں پہلوؤں میں اپنا ہی فائدہ مد نظر رکھا۔ یہ تو ہنر ہے مگر یاد رہے کہ مسیح کا ہرگز یہ دعوے نہیں بلکہ اس نے انجیل میں صاف طور پر اقرار کر دیا ہے کہ میری آمد ثانی ہی ایلیا یعنی الیاس کے مانند ہوگی۔ دیکھو متی باب ۱۷ آیت ۱۰ سے بارہ تک اس میں مسیح نے صاف اشارہ کر دیا کہ الیاس کو دو مرتبہ دکھا اٹھا نا پڑا۔ ایک اپنی آمد اول میں دوسرے اپنی آمد ثانی میں جو بروز ہی رنگ میں تھی اور الیاس ہی مسیح دکھا اٹھا یہ کا صرف یہ فرق ہو گا کہ پہلے دکھ کے ساتھ محض صبر تھا اور دوسرے دکھ کیساتھ ظفر مار رہی تھی۔ پھر آگے لیا

کے ایک مقام میں لکھا ہے کہ مسیح جوہر کی طرح آئینا دکھوا انجیل متی باب ۲۴-۲۵ آیت ۴۴-۴۵ اور ظاہر ہے کہ چور نے چھپا کر آتا ہے اپنی وضع بدلا کر آتا ہے اور اسلاطین ۳۰ سلاطین کے بجونی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کو الیاس کے سوانح سے بہت ہی مشابہت تھی مثلاً جن معجزات مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے اور وہی معجزات الیاس نے بھی دکھلائے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ الیاس کے دشمن اس کی پیشگوئی اور بددعا سے اسکی نظر کے سامنے ہلاک ہوتے رہے مگر مسیح ایسا نہیں کر سکا۔ پھر دوسری مشابہت یہ کہ عیسایانہ دان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مسیح آسمان پر اٹھایا گیا یہی خیال الیاس کی نسبت یہودیوں کا ہے کہ وہ آسمان پر اٹھایا گیا اور عیسائے مسیح کی نسبت کم فہم لوگ بتاتے ہیں کہ وہ آسمان پر نازل ہو گا ایسا ہی یہودیوں کا خیال ہے کہ وہ بھی نازل ہو گا اور عیسائے مسیح کو دکھ دیا گیا اس کے قتل کا ارادہ کیا گیا ایسا ہی الیاس کے ساتھ بھی کیا گیا اور عیسائے مسیح کی آمد ثانی بروزی طور پر تھی ایسا ہی مسیح کی آمد ثانی بھی بروزی طور پر ہے اسی کی طرف مسیح متی باب ۲۴ آیت ۲۷ سے ۳۱ تک اشارہ کرتا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جس طرح الیاس نے اپنی آمد اول میں مخالفوں کے ساتھ سے دکھا اٹھایا اور پھر آمد ثانی میں بروزی طور پر دکھا اٹھایا ایسا ہی مسیح کے ساتھ ہوا اور ہو گا اگر آخر میں وہ تمہارا ہو کر خدا کا جلال ظاہر کرے گا غرض یہ سترہن صحیح نہیں ہے کہ داؤد کا تخت قائم کریں کی پیشگوئی جب صحیح نہ تھی۔ تو مسیح نے اس غلطی کی پردہ پوشی کے لئے اپنی آمد ثانی کا وعدہ کیا گویا شک کرنے والوں کو سرسرفریب سے یہ اطمینان دینا چاہا کہ گو میں اب داؤد کے تخت کو قائم نہیں کر سکا مگر آخری زمانہ میں میں دوبارہ آؤں گا اور پھر داؤد کا تخت قائم کروں گا کیونکہ عیسائے مسیح نے ہرگز مجھے نہیں کیا کہ فی الحقیقت میں ہی دوبارہ آؤں گا ایسا خیال کرنا حضرت مسیح پر سرسرفریب ہے بلکہ انہوں نے بوزن سے اپنے تئیں مشابہت دیکر یہ سمجھایا کہ میں قبر میں داخل ہو گا مگر نہ مردہ بلکہ زندہ اور الیاس سے اپنے تئیں مشابہت دیکر یہ سمجھایا کہ میری آمد ثانی الیاس کی طرح ہوگی اور دونوں قسم کی آمد میں جاہل لوگ مجھ سے دشمنی کریں گے جیسا کہ الیاس سے کی سو آج یہ سب باتیں پوری ہو گئیں کیونکہ جب کہ یہ راقم مسیح کی روح کے رنگت سمجھ لیں ہو کر اور اس کے لباس میں ظاہر ہوا تو نہ مسلمانوں نے مجھے قبول کیا نہ عیسائیوں نے اور میں کا فر ٹھہرایا گیا اور قتل کے نقصان لکھے گئے۔

یسوع کی تعلیم کی غلطیاں

اب پھر ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ عیسائی قوم کے نکتہ چینیوں نے جیسا کہ مسیح کو

اعمال کے رد سے غیر معصوم اور گنہگار ٹھہرنے کیلئے بہت کوشش کی ہے اور ایک بڑا ذخیرہ معائب کا اس کی نسبت طیار کیا ہے ایسا ہی اس امر کا بھی ثبوت دیا ہے کہ مسیح اپنے قول کے رد سے بھی معصوم نہیں تھا اور اس کی تعلیم..... خطا سے پاک نہیں ہے مثلاً اُس نے اپنے تمام شاگردوں کو قصی ہونیکے ترغیب دی اور ظاہر ہے کہ خدا نے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ تمام انسان خستے ہو کر سلسلہ دنیا کا ختم کر دیں۔ سو اس سے ثابت ہے کہ مسیح اپنے قول کے رد سے ہرگز معصوم نہیں اور ایسی عقل اسکو ہرگز عطا نہیں کیگئی تھی جو غلطی سے اس کو بچاتی پس جس خدا نے اسکو غلطی سے نہیں بچایا کیونکر یقین ہو کہ اس کو گناہ سے بچایا ہو گا۔ اور مسیح خود اقرار کرتا ہے کہ معصوم اہل نہ ہونا ایسا خطرناک نہیں ہے جیسا کہ معصوم القول نہ ہونا جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ جو چیز اندر جاتی ہے وہ انسان کو ناپاک نہیں کرتی بلکہ وہ ناپاک کرتی ہے جو اندر سے نکلتی ہے یعنی بے کلمے جو کفر اور فسق کی تعلیم دیتے ہیں حقیقی گنہگار ہی ہے اور عملی گنہگار بھی فرج ہیں +

ایسا ہی مسیح کی تعلیم کا ایک بھی مسئلہ ہے کہ خدا پرست میں رہا۔ خدا پیدا ہوا خدا نے بچہ دیا۔ خدا خود بچہ بن گیا۔ اور خدا بجز اسکے پورا خدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ روح القدس اس سے کشال نہ ہو اور نیز یسوع ابن مریم بھی شامل نہ ہو اور جبریت تینوں اکٹھے ہو جائیگے تب ان کو کہا جائیگا کہ یہ ایک خدا ہے ورنہ نہیں اب ظاہر ہے کہ یہ کس قدر بیہودہ گمان اور خطائی القول ہے اگر مسیح گناہ سے معصوم ہوتا تو ان بیہودہ باتوں سے بھی ضرور معصوم ہوتا کیونکہ اعمال میں نہ معصوم ہو نیسے صرف اپنی ذات پر اثر بد پڑتا ہے لیکن اقوال میں نہ معصوم ہونے میں تمام دنیا پر اثر بد پڑتا ہے اور جو شخص اپنے اعمال میں معصوم نہیں وہ صرف آپ ہلاک ہوتا ہے اور جو شخص اپنے قول میں معصوم نہیں وہ نہ صرف اپنے تئیں ہلاک کرتا ہے بلکہ تمام نبی نوع کو ہلاک کرنا چاہتا تھا بلکہ قول کے گنہ بہ نسبت فعل کے گناہوں کے زیادہ سخت ہیں کیونکہ جھوٹا اور بجا سبائخ اور گالی اور لعنت اور زبانی اور کفر اور شرک اور جھوٹی گواہی یہ سب قلی گناہ ہیں اور کچھ شک نہیں کہ یہ فعلی گناہ سے بدرجہا بڑھکر ہیں ظاہر ہے کہ عملی گناہ کیلئے ہمیشہ کا جہنم نہیں مگر قلی گناہ کیلئے ہمیشہ جہنم ہے +

مذکورہ بالا عیسائیوں کا ایک بھی اعتراض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہے کہ یسوع مسیح کی یہ تعلیم جیسا کہ عیسائی صاحبان سمجھے بیٹھے ہیں کہ انسان اعمال سے نہیں بلکہ یسوع مسیح کے خون سے نجات پائیگا اس تعلیم نے کروڑوں بندگان پر گناہ کے دروازے کھول دیے ہیں اور فسق و فجور اور بے قیدی میں جو کچھ حالت یورپ کی ہو رہی ہے اور جس قدر اکثر ان کے صلاحیت اور ضبط شہوات کے نقطہ سے دور نکل گئے ہیں حاجت بیان

نہیں یہاں تک کہ اکثر گویے بھیڑیوں کی طرح بیگانہ عورتوں پر پڑتے اور گدوں کی طرح ہر ایک بدکاری کے مردار پر گرتے ہیں اگر یہ تعلیم صحیح ہوتی تو عملی طور پر ہر طبقہ کے عیسائیوں پر اس کا بہت نیک اثر پڑتا مگر اس تعلیم کی تحریک سے یورپ میں فسق و فجور کی ندیاں بہ گئی ہیں اور ہر ایک شخص جس پہلو سے گنہ کرنے کی قدر اپنے اندر رکھتا تھا اُسی پہلو سے اپنے گنہ کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ شراب خوار تمام دنیا کے شراب خواروں کے سبقت لیگئے ہیں اور قمار باز تمام دنیا کے قمار بازوں سے اور بدکار مرد اور بدکار عورتیں تمام دنیا کے بدکار مردوں اور بدکار عورتوں کے پس کچھ شک نہیں کہ اس تعلیم نے بدیوں کے کروڑوں درخت یورپ میں بوڑے ہیں۔ پس جس شخص کے منہ سے یہ تعلیم نکلی ہے کیا اُس نے کوئی گنہ کا کام نہیں کیا اور ابھی تک اسکو معصوم ہی کہنا چاہئے نہیں بلکہ اُن زنا کاروں کے گناہ سے لیکر جو مسیح کو پا کر اسپر ایمان لائے جن کا ذکر کائناتھویوں کے خط اول باب ۱-آیت ۱-۲-۶ اور باب ۲-آیت ۹-۱۲ میں تبصرح مندرج ہے اُن بدکار عورتوں اور مردوں تک جن کا گروہ کثیر حال کے زمانہ میں پیرس میں موجود ہے اور نیز لندن میں اور دوسرے یورپ کے حصوں میں سب کا مواخذہ اُس مُلّم سے ہے جسٹ ایسی باتوں سے گناہ کرنے پر لوگوں کو دلیر کر دیا اور ابتداء دنیا سے تمام نیوں نے بدیوں کا کفارہ نیکیوں کو ٹھہرایا تھا کیونکہ یہ مسئلہ تجربہ سے سچا ثابت ہوا ہے کہ روح کائنات کے کاموں میں قوت پانا بدی کی قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے مگر مسیح یہ سچا مسئلہ سکھلانہ سکا اس لئے یہ ایسا سنگین گناہ اس سے ظہور میں آیا ہے کہ عیسائی دنیا کے تمام گناہوں کی دہی جڑ ہے ۔

انجیلی عفو کی حقیقت

محقق عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال پر ایک بھی اعتراض کیا ہے کہ ان کی یہ تعلیم کہ شر کا مقابلہ نہ کرو اور بہر حال ایک ٹمانچہ کھا کر دوسری گال بھی پھیر دینی چاہئے سخت قابل اعتراض اور عصمت دور کیونکہ یہ ایک ایسا طریق ہے کہ ظالم کے اخلاق کو بگاڑتا اور مظلوم کو ناحق جان کے خطرہ میں ڈالتا ہے اور ایسی تعلیم دینے والا حقیقت دو گناہ کا مرتکب ہے (۱) ایک کہ ہر شر کے کو بے سزا چھوڑ کر ظلم کو مدد دیتا ہے اور روارکھتا ہے کہ زمین پر ظالم بکثرت ہو جائیں (۲) دوسرے کہ وہ غریب مظلوموں پر دادرسی کا دروازہ بند کرنا چاہتا ہے اور اس طرح ایک عمدہ صفت عدل کا دشمن بن کر زمین پر بناوٹ اور مفدہ پھیلانا چاہتا ہے کیا ایسا شخص کل دنیا کی بہتری کا خواہاں ہو سکتا ہے جو انسانوں کے

ایک شریف طبقہ کو یہ نصیحت دیتا ہے کہ گو کوئی تمہاری جان پر حملہ کرے یا تمہاری عزت پر یا ٹھگ بازی اور دغا سے تمہارا مال لینا چاہئے بہر حال تمہیں چاہئے کہ وہ حملہ ہونے دو اور مقابلہ نہ کرو نظر اہر ہے کہ ایسی تعلیم سے شرفاء کی بیویاں بھی اس سے گھروں میں نہیں بیٹھ سکتیں کیونکہ اس تعلیم کے رو سے جیسا کہ مرد و نگو شر کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے ویسا ہی عورت و نگو بھی ایسی تعلیم کو پاوری صاحبان لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بڑی عمدہ تعلیم ہے حالانکہ یہ تعلیم انتظام دنیا کی دشمن انصاف کی دشمن حقیقی پاکیزگی کے پھیلنے کی دشمن ہے کیا یہی تعلیم اس خدا کے منہ سے نکلی ہے جس کے قانون قدرت کے آئینہ میں صاف دکھائی دیتا ہے کہ وہ نصیحت اور رحم دونوں کے سلسلہ کو اپنے اپنے محل پر مرمی رکھتا ہے اس کے کاموں میں جو دنیا میں نمایاں ہیں نہ صرف اتنا مقام پر سارا مدار پایا جاتا ہے اور نہ صرف درگزر اور رحم پر بلکہ موقع اور محل کے لحاظ سے دونوں پر کیا یہ سچ نہیں کہ خدا کا قول خدا کے فعل سے مطابق ہونا چاہئے پھر یہ تعلیم جو حضرت مسیح نے دی ہے کیوں خدا کے قانون قدرت کے مطابق نہیں کلیسیا کے بڑے بڑے بزرگ اور دیندار جو دوسرے مذاہب کی محنت جینیوں میں مصروف ہیں کیوں انجیلی کی اس تعلیم پر غور نہیں کرتے جو غریبوں اور کمزوروں کو سکھاتی ہے جو تم ہر ایک ظلم کی برداشت کرو اور ظالموں کی سرکوبی کے لئے کوئی قانون پیش نہیں کرتی جو شخص دنیا کو ایسا سکھاتا اور ایسی تعلیم دیتا ہے کیا وہ کوئی گناہ نہیں کرتا آپ لوگ اس مقام میں کیوں اس منطق اور فلسفہ سے مدد نہیں لیتے جس میں عمریں بسر کی ہیں اگر کسی منطق سے یہ تعلیم صحیح ٹھہر سکتی ہے تو ہمیں بتا دیں جو لوگ سچائی سے پیار کرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ ہمیں دکھلا دیں کہ اس تعلیم میں کیا سچائی ہے کہ اپنی جان اور عزت اور مال کی نسبت کسی سے مقابلہ نہ کرو اور ہر ایک حملہ ہونے دو اور اگر سچائی تھی تو کیوں عیسائیوں نے اس پر عمل نہ کیا اس صورت میں یا تو وہ لوگ گنہگار ہوئے جو عمل کر نیسے قاصر رہے اور یا وہ گنہگار ہو جائیں ایسی تعلیم پیش کی جس میں انکی اور انکی ذریت کی حق تلفی اور بربادی تھی اور پھر طرفہ تریہ کہ ایک خفیف سزا سے درگزر کر کے ایک بڑی سزا کی دھمکی دی ہے مثلاً لکھا ہے کہ آنکھ کی نظر شہوت سے سارا بدن جہنم میں ڈال جائیگا اب ایک طرف تو یہ منع کیا گیا ہے کہ ہر ایک قسم کے شر کا مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ اس کو نہ روکا جائے جیسے بد نظری کرنیوالوں اور عورتوں کی عفت پر حملہ کرنیوالوں کے شر بھی داخل ہیں جس کا مقابلہ یا روکنا ایک سچے عیسائی کیلئے حرام ہے اور پھر دوسری طرف زنا کار کی سزا ابی جہنم لکھی ہے اب ظاہر ہے کہ اگر تھوڑی سی دنیا کی سزا سے ایسے لوگوں کی سرکوبی کی جاتی تو وہ ہمیشہ کے جہنم سے بچ جاتے اور جرائم سے رک جاتے پس اس تعلیم نے جیسا کہ کمزوروں پر

سستی کی ہے ویسا ہی ظالموں پر بھی ایسا قسم کا ظلم کیا ہے یہ تو عیسائی محققوں کے انجیل کی تعلیم پر اعتراض
ہیں اور ہم اس بات کو دقت کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ عفو اور درگزر اچھے اخلاق ہیں لیکن نہ ہر جگہ اور ہر محل پر اس
باب سے میں قرآنی تعلیم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی تعلیم نہیں شہاد دیکھو کہ انجیل کی اس تعلیم کے مقابل پر جس پر بڑے
زور و شور سے آج کل یورپ میں اعتراض ہو رہے ہیں قرآنی تعلیم عفو یا انتقام کے بارے میں یہ ہے۔ جزاء
سیئة بسیئة مثلھا فمن عفی واصلح فاجرة علی اللہ یعنی انصاف یہی ہے کہ بدی کی اسی قدر
سزا دی جائے جس قدر بدی کی گئی ہے لیکن جو شخص سزا دینے یا دلانے سے درگزر کرے اور اس درگزر سے کوئی
اصلاح ہو یعنی درگزر کرنے سے مجرم پر نیک اثر پڑے اور کوئی فساد پیدا نہ ہو اور امن عامہ میں کوئی نقص نہ ہو
عرص درگزر عین محل پر ہو بے محل نہ ہو تو ایسا شخص خدا سے بڑا اجر پائیگا کیونکہ درگزر سے ایک جان کو بھی بچایا
اور اسکی اخلاقی حالت کی بھی اصلاح کی اور پھر امن عامہ میں کوئی خلل نہ آنے دیا اور یہ امر صاف اور بدیہی ہے
کہ گنہ گرنیوالے ایک ہی طبیعت کے نہیں ہوتے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا گناہ معاف کیا جائے تو
آئندہ کان کو اتھ لگاتے اور سدھر جاتے ہیں اور پھر ایسی بدی کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ ایسی صحبتوں سے
مجتنب ہو جاتے ہیں اور وہ تھوڑے ہیں اور بعض ایسے شریر ہوتے ہیں کہ گناہ معاف کرنے سے اور بھی گناہ
پر دلیر اور خیرہ چشم ہو جاتے ہیں اور انکی لعنتی زندگی اور بھی خراب ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح تمام لوگوں کے
ایذا دینے کا موجب ٹھہر جاتے ہیں اور وہ بہت ہیں نہ اس سانپ کی طرح ہوتے ہیں کہ جو ایک شخص کو کاٹ
کر اسی پر بس نہیں کر سکتا اور سرگز نیک اور تائب نہیں بن سکتا بلکہ تمام عمر کیلئے یہ خاصیت اپنے اندر رکھتا
ہے اور موقع پا کر پھر دوسرے کو کاٹتا ہے اور پھر تیسرے کو ایسا ہی ایک شہر کو خالی کرنا چاہتا ہے جب تک کہ
اس کا سر کاٹ کر الگ نہ کر دیا جائے بعض پادری صاحبان اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ ہر جگہ عفو اور درگزر
صحیح نہیں ہے بیشک اس سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ جواب دیتے ہیں کہ انجیل کا اس جگہ یہ منشاء ہے
کہ تم آپ سزا نہ دو بلکہ حاکموں سے دلاؤ تو گویا انجیل عیسائیوں کا یہ سکھلاتی ہے کہ جب تمہیں ایک گال پر ٹھانچ
ملا جائے تو مقدمہ سنگین بنانے کیلئے دوسری گال بھی پھیر دو اور جب دوسری گال پر ٹھانچہ خوب زور کا
لگ جائے اور کوئی دانت بھی ٹوٹ جائے تو پھر ضرب شدید کا دعویٰ کر کے عدالت میں نالش کر دو اور سزا دلاؤ
اب بتاؤ کہ اگر انجیل کا یہی منشاء ہے جیسا کہ پادری صاحبان بیان فرماتے ہیں تو کیا انجیل نے یہی اخلاق سکھائے
ہیں کہ اپنے تئیں درگزر کرنیوالا ظاہر کر کے دشمن کو سخت سزا کے قابل ٹھہرا دو اور سرگز نہ چھوڑو یہ تو ایک مکاری

ہے کہ اس نیست زمی اور درگذر کیجائے کہ کسی طرح مجرم کوئی مجرمانہ حرکت کر بیٹھے اور جبر مجرمانہ حرکت اس سے صادر ہو چکی تو پھر اسکو بذریعہ وارنٹ گرفتار کر اگر جیلخانہ میں پہنچایا جائے یہ خوب درگذر اور عفو ہے۔

اسو اس کے اس صورت میں تو انجیلی تعلیم کا آل یہ ہو گا کہ کسی طرح دغا بازی سے مجرم کو پھنسا کر سزا الایق اسکو کر دیا جائے حالانکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ اس ایسے میں کامل تعلیم ہے کہ نہ ہمیشہ مجرموں کو سزا دی جائے اور نہ ہمیشہ درگذر کیجائے بلکہ محل اور موقع کو دیکھا جائے کہ اب قمرین مصلحت کیا ہے اور بہتری کس امر میں ہے درگذر میں یا انتقام میں۔ ہم اس بات کے تسلیم کرتے ہیں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ مسیح کی اس تعلیم سے یہ غرض تھی کہ تارن یہودیوں کو جو سزائیں بہت حریص تھے اس عادت سے روک لے لیکن اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ جیسا کہ یہودیوں نے ہر ایک موقع میں سزا دی پر زور ڈالکر افراط کی راہ لی۔ ایسا ہی حضرت مسیح نے ہر ایک موقع پر ترک سزا کی تعلیم دیکر تقریط کی راہ کو اختیار کر لیا اور چونکہ دونوں راہیں راہ اعتدال سے منحرف تھیں اس لئے حکمت الہی نے تقاضا کیا کہ ایک تیسری راہ دنیا کو دکھائے جو حکمت اور موقع شناسی کا سبق دیتی اور اعتدال اور میانہ روی کو سکھاتی ہے سو وہ راہ قرآن شریف لایا اوصیہ داغ نہ صرف انجیل پر بلکہ توریت پر بھی ہے کہ وہ دونوں اس روشن اور پر حکمت تعلیم کو پیش نہیں کر سکیں جو خدا کی پاک اور زندہ کلام فرقان عید نے پیش کی کیونکہ وہ دونوں کتابیں قانون مختص المقام یا قانون مختص القوم کی طرح تھیں اور نبی اسرائیل کی افراط اور تقریط نے یہی چاہا تھا کہ ایک نامہ میں قانون قصاص نہایت درجہ کی سختی کیساتھ اُن کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوتا اور دوسرے زمانہ میں قانون ترک سزا نہایت درجہ کے مبالغہ کیساتھ دیا جاتا یہ ظاہر ہے کہ انسانی فطرتوں نے تہذیب اور شائستگی کی طرف آہستہ آہستہ ترقی کی ہے پس یہ امر ایک ضروری اور بیشری پیدائش کی راہ میں تھا کہ اول انسان جذبات نفس کے جوش کی وجہ سے انتقامی شریعت کو زیادہ پسند کرتا اور پھر الہی شریعت کے متاثر ہو کر ترک جذبات کے اعتیاق سے ایسے قانون کی خواہش کرتا جس میں عفو اور درگذر پر زور دیا گیا ہو اور آخر دونوں طریق افراط اور تقریط کو آزاد کر حکمت اور موقع شناسی کے قانون کو ان دونوں راہوں افراط اور تقریط پر ترجیح دیتا اور خدا سے ایسے قانون کی درخواست کرتا کہ نہ تو خواہ مخواہ دانستہ عوض و انت نکالنا چاہتا ہے اور نہ ہر جگہ عفو اور درگذر کو پسند کرتا پس انسانی فطرتوں کی درخواست کے مطابق تین کتابیں نازل ہوئیں (۱) توریت جو افراط کی طرف لے جاتی ہے (۲) انجیل جو تقریط کی طرف کھینچتی ہے (۳) قرآن جو ہر ایک امر میں بین بین کی راہ اختیار کرتا اور توسط

اور اعتدال کا طریق سکھلاتا ہے ✦